سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روح پرور اور ایمان افروز قصیدے ''قصیدۂ نعمانیہ'' کی مبسوط و جامع شرح

بنام

ادلۂ ایمانیہ

شرح

قصیدۂ نعمانیہ

اہلِ محبت کے لئے ایک تحفۂ نایاب

شارح

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

﴿ناشر﴾

بزمِ فیضانِ رضا دارالعلوم محبوبِ سبحانی کرلا ممبئی ۷۰

نام کتاب : ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ
تصنیف : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی اُناوی
تصحیح ونظر ثانی : حضرت مولانا امجد علی صاحب قبلہ مصباحی
حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب قبلہ مصباحی
پروف ریڈنگ : حضرت مولانا نور العین صاحب قبلہ مصباحی
حضرت مولانا محمد اظہر الدین صاحب قبلہ مصباحی
طبع اول : ۱۴۳۳ھ ۲۰۱۲ء
تعداد طبع اول : گیارہ سو (۱۱۰۰)
صفحات : ۲۹۸
قیمت : ......
کمپوزنگ : مولانا نصر الدین صاحب وطلبہ فضیلت
دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی
ناشر : بزم فیضان رضا (طلبہ محبوب سبحانی)

شرفِ انتساب

میں اپنی اس معمولی کاوش کو مندرجہ ذیل مشائخ عظام کی جانب منسوب کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں باطل افکار ونظریات کی بیخ کنی کر کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کی اور ضلالت وگمراہی میں بھٹکتی انسانیت کو ساحل مراد سے ہم کنار کیا

یعنی امام المجتہدین سراج الامہ کاشف الغمہ حضرت سیدنا امام اعظم
ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ

مجددِ ماۃ ماضیہ مؤید ملتِ طاہرہ صاحبِ حجۃ قاہرہ اعلیٰ حضرت امام
احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ

حامیِ سنت ماحیِ بدعت ناشرِ مسلک اعلیٰ حضرت جلالت العلم حضور حافظِ ملت
بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

گر قبول افتد زہے عز وشرف

خاکسار : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ

۱۰ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مصنف..............ایک نظر میں

نام مع ولدیت : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی ابن مولوی سید محمد نشاط حسین (مرحوم)

تاریخ پیدائش : ۱۲/ ستمبر ۱۹۸۵ء

وطن : محلّہ سنگروسی، شہر اناؤ، یو۔ پی۔ ہند۔

تعلیم : (۱) ناظرہ، حفظ، اعدادیہ: مدرسہ فیض عام، شہر اناؤ، یو۔ پی

(۳) اولی، ثانیہ: دار العلوم وارثیہ، گومتی نگر، لکھنؤ، یو۔ پی

(۴) از ثالثہ تا فضیلت وقراءت حفص: جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یو۔ پی

فراغت : جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یو۔ پی (۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء)

تعلیمی اسناد : عالم، فاضل (درس نظامی) فاضل دینیات (عربی فارسی بورڈ یو۔ پی)

تدریس : دار العلوم محبوب سبحانی امام احمد رضا چوک نیومل روڈ کرلا (ویسٹ) ممبئی ۷۰ (از ابتدا تا حال بحیثیت صدر المدرسین)

اساتذۂ کرام: عمدۃ المحققین خیر الاذکیا حضرت علامہ مولانا محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی۔ سراج الفقہا محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ مصباحی۔ سند المحدثین حضرت علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ مصباحی۔ نصیر ملت حضرت علامہ محمد نصیر الدین صاحب قبلہ مصباحی۔ زینت تدریس شمس العلما حضرت علامہ مفتی محمد شمس الہدیٰ صاحب قبلہ۔ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ایوب مظہر صاحب قبلہ۔ ادیبِ باکمال حضرت مفتی زاہد سلامی صاحب قبلہ مصباحی۔ ادیبِ شہیر حضرت علامہ مولانا نفیس احمد صاحب قبلہ مصباحی۔ صدر العلما حضرت علامہ صدر الوریٰ صاحب قبلہ مصباحی۔ ماہرِ علم وفن حضرت علامہ محمد ناظم علی صاحب قبلہ مصباحی۔ نازش لوح وقلم حضرت مولانا ساجد علی مصباحی وغیرھم من نوابغ الدھر و اعلام العصر حفظھم اللہ تعالیٰ فی الدارین عن کل فتنۃ و شر۔

تالیفات وتراجم :(۱) ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ (۲) نبیِّ مختار ﷺ کی نورانیت و بشریت کے جلوے (۳) جہالت بے نقاب (۴) غیر مقلدین سے چند سوالات (۵) اردو ترجمہ الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ (۶) اردو ترجمہ الجزأ المفقود من الجزأ الاول من مصنف عبد الرزاق (۷) اردو ترجمہ نور البد ایات و ختم النھایات۔

اہم مقالات: (۱) قصیدۂ نعمانیہ کا تحقیقی جائزہ (۲) علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرحِ مسلم کا تنقیدی جائزہ (۳) دین کی دعوت وتبلیغ میں خواتین کا داعیانہ کردار (۴) عقیدۂ حیاتِ انبیا قرآن واحادیث کی روشنی میں (۵) قرآن اور تدبر کائنات۔

فہرستِ مضامین

☆☆☆

عرض حال

یہ کوئی سال بھر کی بات ہے جب کہ میں رمضان المبارک میں حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قصیدہ **"قصیدۂ نعمانیہ"** کی تلاوت کرتے ہوئے محظوظ ہو رہا تھا۔ دورانِ قراءت میں نے محسوس کیا کہ اس قصیدہ میں اپنے وقت کے سب سے بڑے امام نے آقائے کریم تاجدارِ دو عالم سیّدنا محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبّت کا اظہار نظم کے انداز میں کیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات ،محاسن وکمالات ،اخلاق و عادات ،معجزات وآیات ،تصرفات واختیارات ،شفاعت ودست گیری اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل واستمداد کا ایک منظوم خاکہ کھینچا ہے۔ اس مبارک قصیدہ سے عقیدہ بھی ملتا ہے اور عقیدت بھی۔ اس کو پڑھنے کے بعد مذکورہ بالا اُشیاء کے تعلّق سے سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار وعقائد کا نقشہ ابھر کر سامنے آیا۔

یہ قصیدہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا ایسا قلمی شاہکار ہے جس کا ذکر ہر دور کے اکابر علمائے کرام اور محدّثین عظام نے اپنی اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ چوں کہ اس قصیدہ میں اُن افکار ونظریات کو منظوم کیا گیا ہے جسے صاحبِ قصیدہ کی تقلید کا دعویٰ کرنے والے دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ ناجائز بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ اس کا آسان

اردو زبان میں ترجمہ کر کے مختصر توضیح وتشریح کے ساتھ اس کے پوشیدہ معانی کو اجاگر کر دیا جائے اور اس میں ذکر کیئے گئے عقائد و معجزات کو دلائل و براہین سے آراستہ کر دیا جائے تا کہ اس گروہِ بد باطن کی مکاریاں اور فریب کاریاں ابھر کر سامنے آئیں اور عوام بھائی ان کی دھوکہ دھڑی سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ خیال آتے ہی رب تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کر کے اِس کا ترجمہ شروع کیا اور اَواخرِ رمضان تک اس کی تکمیل کر کے تقریباً دس اشعار کی توضیح وتشریح بھی کر دی ۔پھر دار العلوم کی گونا گوں مصروفیات کی وجہ سے یہ کام موقوف کرنا پڑا یہاں تک کہ دوسرا رمضان بھی آ کر گزر گیا لیکن ادھر توجہ دینے کی فرصت نہ مل سکی۔ اَوائلِ ذی قعدہ تک داخلہ کی تمام مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد ادھر توجہ کی اور اَواخرِ ذی الحجہ تک یہ قلمی کاوش تکمیل آشنا ہوگئی اور اب یہ شرح دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی کے ہوشمند اور فیروز بخت طلبہ کی بزم ''**بزمِ فیضانِ رضا**''، کی جانب سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کارگزاری کے لئے ہم دل کی گہرائیوں سے اُن کے شکر گزار ہیں۔اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں وہ اجر عطا فرمائے جو اُس کی شان کریمی کے لائق ہے۔

اس شرح میں اشعار کا سلیس اردو زبان میں معنیٰ خیز ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر شعر کے مفاہیمِ عالیہ کا آیاتِ ربّانیہ، احادیثِ نبویّہ اور اسلافِ کرام کے ارشادات سے ثبوت فراہم کیا گیا ہے، جگہ جگہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے عقائدِ باطلہ کی نقاب کشائی کر کے ان کی

فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ شرح عوام النّاس کے افادہ واستفادہ کی غرض سے لکھی گئی ہے اس لئے مشکل الفاظ اور مقفّی و مسجّع عبارت لانے سے گریز کیا گیا ہے اور تشریحات کو واضح لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ معمولی اردو جاننے والے بھی بغیر کسی الجھن کے معنیٰ مراد تک رسائی حاصل کرسکیں۔ اسی لئے اشعار کی فنّی، عروضی اور بلاغی پیمائش سے تعرّض نہیں کیا گیا البتہ طلبہ کی سہولت کے پیش نظر ہر شعر کے آخر میں حلِ لغات کو پیش کردیا گیا ہے۔

اس کتاب کی خاکہ بندی اور ترتیب وتزیین میں مندرجہ ذیل علمائے کرام نے اپنے گراں قدر اور قیمتی مشوروں سے نوازا ہے۔

(۱) حضرت علاّمہ مفتی سیّد شاکر حسین صاحب قبلہ سیفی مصباحی

مفتی دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی

(۲) حضرت علاّمہ مولانا محمد امجد علی صاحب قبلہ مصباحی

شیخ الحدیث دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی

(۳) حضرت علاّمہ مولانا مفتی شیر محمد صاحب قبلہ مصباحی

مفتی دارالعلوم وارثیہ گومتی نگر لکھنؤ یوپی

(۴) حضرت علاّمہ مولانا محمد نورالعین صاحب قبلہ مصباحی

استاذ دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان حضرات کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ ربّ

قدیر انہیں دارین میں جزا عطا فرمائے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے جملہ اساتذۂ کرام اور والدین کا بھی ممنون ہوں کہ جن کا احسانِ تعلیم وتربیت میری ہر علمی و دینی خدمت کا سنگِ بنیاد ہے۔

اخیر میں ناظرین وقارئین کی بارگاہ میں گزارش ہے کہ اس کتاب میں میری کم علمی کے باعث قدم قدم پر لغزشیں نظر آئیں گی مگر امّید ہے کہ تنقید کے کانٹوں سے زخمی کرنے کے بجائے اصلاح فرما کر مجھے مشکور فرمائیں گے (فمن عفی وأصلح فأجرهٗ علی اللّٰه)۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ "ما قال" پر نگاہِ توجّہ فرمائی جائے "من قال" کو نہ دیکھا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت وعنایت سے میری اِس ادنیٰ کاوش کو خلعتِ قبولیتِ عامّہ بخشے اور اس کو میرے والدین، اُساتذہ اور محبّین و مخلصین کی مغفرت کا سبب اور خود میرے لئے توشۂ آخرت بنائے۔

آمین ایا رب العالمین! بجاہ حبیبک سید المرسلین رحمۃللعالمین علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و حزبہ أکرم التحیۃ و التسلیم

راقم: سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
صدر المدرسین: دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی ۷۰۔ ہند

تقریظ جلیل

سماحۃ الشیخ حضرت علامہ ومولانا محمد امجد علی صاحب قبلہ مصباحی

(شیخ الحدیث دارالعلوم محبوب سبحانی)

ایک نام قصیدۂ نعمانیہ عرصہ سے سنتے رہے تھے لیکن کم نصیبی سے نہ کبھی مطالعہ کیا تھا نہ دیکھا تھا۔اس کی وجہ کوئی بے ذوقی نہیں بلکہ ممبئی جیسے شہر میں اپنی انتہائی مصروفیات کہ آج بھی دارالعلوم محبوب سبحانی میں پانچ اور بذریعہ فون چار منتہی معیاری کتابوں کا پڑھانا۔(۱) بخاری شریف از ابتدا، دارالعلوم میں (۲) بخاری شریف تیرہواں جز ،جامعۃ المؤمنات صادقیہ ڈونگری میں (۳) بخاری شریف چودھواں جز (۴) ہدایہ اولین (۵) مشکوٰۃ شریف بذریعہ فون جامعۃ المؤمنات صادقیہ ڈونگری میں (۶) حسامی (۷) شرح تہذیب (۸) قطبی تصورات (۹) فیض الادب ثانی دارالعلوم میں۔اب تصنیف وتالیف کیلئے وقت کہاں سے لاؤں؟

فاضل گرامی حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد اکرام الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی، ہزاروں ہزار دعاء اور سپاس کے مستحق ہیں کہ انھوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ کا ترجمہ،تشریح اور حل لغت اس انداز میں فرمایا کہ دیگر طلبہ،علماء کے جذبہ کو ابھارنے والا اور عوام اہلسنت کے عقائد حقّہ کی حفاظت کرنے والا اور بدمذہب غیر معاند کیلئے قبول حق کا ذریعہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

میری دعاء ہے کہ اے علیم وخبیر! ان سے اور ہم سے بھی اپنے دین اور اپنے نبی کی

شریعت کا زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر کام لے جو تجھے اور تیرے حبیب کو پسند ہو۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے　　ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

دعاء جو و دعاء گو : محمد امجد علی قادری مصباحی مرادآبادی
(شیخ الحدیث دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی)
۲۲ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء

کلماتِ تحسین

باسمہ تعالی و تقدس

فاضلِ گرامی وقار حضرت علامہ ومولانا سید محمد اکرام الحق صاحب قبلہ زید مجدہ ملکِ ہند کی عظیم دانش گاہ "**جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی**" کے ہونہار فضلا میں سے ہیں۔ رب قدیر نے بیشمار الطاف وعنایات سے انہیں نوازا ہے۔ ایک با عمل عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ پیکرِ حسنِ صورت وسیرت اور صاحبِ اخلاق ومروت بھی ہیں۔ تعلیمی وتدریسی صلاحیتوں کے علاوہ تنظیمی وتبلیغی مزاج کے بھی حامل ہیں نیز تحریری وتصنیفی ذوق نے مزید شخصیت کو با اثر بنادیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب دراصل کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ قدوۃ الفقہا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قصیدۂ نعمانیہ کا ترجمہ اوراس کی توضیح وتشریح ہے۔ میں یہ کہنے میں بجا ہوں کہ فاضلِ مترجم نے ترجمانی نہیں بلکہ ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔ الفاظ اور صیغوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ حلِ لغات کا کالم بڑھا کر مزید مفید بنایا ہے۔ پھر تشریح ایسے عام لب و لہجہ میں ہے کہ عام اردوں خواں بھی استفادہ کرسکتا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اشعار کے بطن سے اپنے عقائدِ حقہ (اہل سنت و جماعت) کی اردو و عربی مثالوں کے ذریعہ ایسی وضاحت فرمائی ہے کہ اب یہ صرف ترجمہ نہیں بلکہ معلومات کا ایک عظیم ذخیرہ ہوگیا ہے جو

عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

میں نے کچھ حصہ پڑھکر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ فاضلِ مصنف نے اسمیں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے جو ان کے روشن مستقبل کی طرف غماز اور گہری بصیرت پر واضح دلیل ہے دعا ہے کہ رب العلمین انھیں تحقیق وتفتیش کا جذبۂ بیکراں عطا فرما کر دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے، آمین!

(حضرت مولانا مفتی) **شیر محمد خاں** (صاحب قبلہ) مصباحی

خادم تدریس وافتاء دار العلوم وارثیہ لکھنؤ

۱۱ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۷ دسمبر ۲۰۱۱ء

کلماتِ بزم

حامدًا وّ مصلّیًا

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

جس طرح پورے مہاراشٹر خصوصًا ممبئ عظمیٰ میں ''دارالعلوم محبوبِ سبحانی،، اپنی بہترین تعلیم وتربیت اور عمدہ نظم ونسق کے لحاظ سے متعارف ہے اسی طرح بفضلہٖ تعالیٰ یہاں کے حوصلہ منداور باذوق طلبہ کا اشاعتی ادارہ ''بزمِ فیضانِ رضا،، بھی بنظرِ استحسان دیکھا اور سراہا جاتا ہے کیوں کہ مختصر سرمایہ اور قلیل اسباب کے باوجود یہاں کے بلند ہمت طلبہ اکابرینِ اہلِ سنت کے رشحاتِ قلم کو موقع بموقع عوامِ اہلِ سنت تک پہونچانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔ہم طلبہ کی کاوشوں سے اب تک درجنوں کتابیں چھپ کر مقامی اور بیرونی عوامِ اہلِ سنت کی نگاہوں کو روشنی فراہم کررہی ہیں۔

ہر سال کی طرح سالِ گزشتہ بھی ''بزم فیضانِ رضا،، کی جانب سے نماز کے موضوع پر ایک نایاب کتاب بنام ''عظمتِ نماز'' شائع ہوئی تھی جسکی کامیابی کا سہرا استاذِ گرامی حضرت علامہ مولانا سید محمد اکرام الحق صاحب مصباحی صدرالمدرسین دارالعلوم محبوبِ سبحانی کے سر جاتا ہے جنکی فرمائش پر حضرت علامہ مولانا محمد ساجد علی صاحب قبلہ مصباحی استاذ

جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے اس کتاب کا ایک نسخہ عطا فرما کرہم رضا کارانِ بزم کوشکریہ کا موقع عنایت فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ وقت کے اہم تقاضوں کے مطابق بزم فیضانِ رضا کتابیں شائع کر کے انہیں عوام الناس میں ان کی اخروی فلاح و بہبود کی خاطر تقسیم کرتی رہتی ہے۔اس سال بھی اراکین بزم نے دارالعلوم ھٰذا کے صدر المدرسین حضرت علامہ مولانا سید محمد اکرام الحق صاحب قبلہ کی بارگاہ کی جانب رجوع کیا اورآپ نے ہماری گزارش پر اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب **''ادلۂ ایمانیہ شرح قصیدۂ نعمانیہ''** کومختصر سی مدت میں پائے تکمیل تک پہونچایا ۔یہ کتاب حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قصیدہ **''قصیدۂ نعمانیہ''** کی شرح ہے جس میں استاذ گرامی نے جا بجا عقائدِ اہل سنت کو دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت فرمایا ہے۔اب یہ **''بزم فیضان رضا''** کی جانب سے شائع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں آئی ہے۔

آخر میں ہم تمام اراکینِ بزم اور جملہ طلبہ اوراپنے مشفق وکرم نواز اساتذۂ کرام کے ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے ہر موڑ پر اپنے گراں قدر مشوروں سے نواز کرہمیں بہتر سے بہتر کام کرنے کا جذبہ عطا کیا اورشکر گزار ہیں ان تمام محبّین، مخلصین اور معاونین بالخصوص اراکینِ دارالعلوم محبوب سبحانی کے کہ جنہوں نے ہر ہر قدم پر دامے درمے سخنے اپنا قیمتی تعاون دیکر ہماری ہمتوں کودوبالا کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے موصوف مصنف کی اس گراں قدر

خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرما کرانہیں دارین کی سعادتوں سے ہمکنار فرمائے! اور ہم طلبۂ دار العلوم محبوب سبحانی کو اسی طرح مشفق اساتذۂ کرام کے سایۂ کرم میں رہکر اہلِ سنت و جماعت بالخصوص مسلکِ اعلی حضرت کی خدمت کا جذبہ اور علمِ نافع و عملِ صالح کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ.

امامِ اعظم..........حیات وکارنامے

از: حضرت علامہ ومولانا محمد نورالعین صاحب قبلہ مصباحی
استاذ: دارالعلوم محبوبِ سبحانی کرلاویسٹ ممبئی ۷۰

اس فنا پزیر دنیا میں لاتعداد انسانوں نے جنم لیا اور داعیٔ اُجل کو لبیک کہہ کر چلے گئے۔ لیکن دنیا نے کتنوں کو یاد رکھا؟ تاریخ کے صفحات پر گنتی کے نام ملتے ہیں یہ وہ پاک باز اور مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے امتِ مسلمہ کی رشد و ہدایت سے متعلق وہ کارہائے نمایاں انجام دیۓ جنہیں تاریخ رہتی دنیا تک فراموش نہیں کرسکتی۔

انہیں فیروز بخت نامور شخصیتوں میں سے پہلی صدی ہجری کی ایک عظیم وعبقری شخصیت سراج الامہ کاشف الغمۃ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی ہے جسے دنیا امام اعظم ابوحنیفہ کے نام سے جانتی ہے۔آپ کے فضل وکمال اور تبحر علمی کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔آپ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان ”**لو کان العلم با لثریا لناله رجال من أبناء فارس**،، (اگر علم ثریا کی بلندی پر بھی ہوگا تو فارس کے لوگ اسے پا لیں گے) کے صحیح مصداق ہیں۔آپ کا علمی مقام اتنا بلند تھا کہ وقت کے عظیم ائمہ نے آپ کے بحرِ علم ومعرفت سے اپنی تشنگی بجھائی ہے اور آپ کے مبارک عہد سے لیکر اب تک امتِ مسلمہ کا نصف سے زائد حصہ آپ کے مسلک (فقہ حنفی) پر گامزن ہے اور اس کے مطابق دنیا کے عظیم ترین کورٹوں میں فیصلے صادر کیۓ جاتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت:

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۰ھ میں عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ وہی کوفہ جہاں پر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دل خراش منظر پیش آیا جس کے سبب کوفہ کا نام سنتے ہی سطحِ ذہن پر غدر وفریب کا تصور ابھر آتا ہے۔

لیکن یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ شہر کوفہ کو علم وفن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ کہ حضرت امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود فرمایا کہ ''دو بار شام اور چار بار بصرہ جانے کا اتفاق ہوا اور کوفہ و بغداد اتنی بار گیا کہ اسکا شمار نہیں کر سکتا،، حضرت امام بخاری کی اتنی زیادہ کوفہ آمد ورفت کوفہ کے مرکزِ علم وفن ہونے پر بین ثبوت ہے۔

علاوہ ازیں اس شہر کو مدینۃ العلم حضرت مولائے کائنات علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خاص روحانی وعرفانی فیضان سے سیراب کیا ہے۔ حضرت امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چھ شخصیتوں کو منبعِ علم پایا۔ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت زید، حضرت ابو درداء اور حضرت اُبی بن کعب۔ پھر ان شخصیتوں کے علم کو حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں مجتمع پایا۔ ان دونوں شخصیتوں کا علم مدینہ منورہ سے ابرِ کرم بن کر اُٹھا اور کوفے کی وادیوں پر خوب برسا۔

زمانہ :

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا۔آپ کے ابتدائی زمانے میں تقریباً بیس صحابۂ کرام باحیات تھے۔آپ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں اختلاف ہے ایک قول ۷۰ھ کا ہے اور دوسرا قول ۸۰ھ کا ۔گو کہ بیشتر لوگوں نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے تاہم ۷۰ھ کا قول بھی ضعیف نہیں بلکہ محققین کے نزدیک یہی قول مختار ہے خود حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔(ملخص از مقدمہ نزھۃ القاری)

تحصیل علم:

حضرتِ امام اعظم نے جب شعور و آگہی کی منزل میں قدم رکھا اس وقت شہر کوفہ کو علم وفن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ہر چہار جانب علم وعرفان کے آبشار جاری تھے۔ اسی دور میں حضرت امامِ اعظم کے دل میں تحصیلِ علم کا شوق پیدا ہوا وہ اس طرح کہ ایک بار آپ بازار تشریف لے جارہے تھے راستے میں حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا گھر پڑتا تھا۔جب آپ ان کے گھر کے سامنے سے گذرے تو انہوں نے آپ کو بلاکر پوچھا کہ کس سے پڑھتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کسی سے نہیں ! اس پر امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے اندر استعداد کے جوہر نظر آتے ہیں لہٰذا تم علما کی مجلس میں بیٹھا

کرو! چونکہ قدرت نے آپ کو فروغ علم و دانش کیلئے پیدا کیا تھا اور دین متین کی عظیم علمی خدمات کی انجام دہی آپ کے حصہ میں آنی تھی چنانچہ امام شعبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی نصیحت اس قدر اثر انداز ہوئی کہ آپ ہمہ تن تحصیلِ علم میں مصروف ہو گئے۔

ابتدا میں تو آپ ادب و انشاء اور علمِ کلام کی تحصیل میں مصروف رہے۔ اس سے فراغت کے بعد وقت کے جید فقیہ حضرت امام حماد کے حلقۂ درس سے وابستہ ہوئے اور آپ سے فقہ حدیث اور تفسیر کا درس لیا۔ مزید تشنگی علم بجھانے کے لئے مکۃ المکرّمۃ، مدینۃ المنورۃ اور بصرہ کے متعدد سفر کئے۔ حرمین شریفین جو اس وقت علم وادب کے مرکز تصور کئے جاتے تھے بالخصوص ایامِ حج کے موقع پر جب کہ ممالک اسلامی کے جید علماء کا اجتماع ہوتا تھا۔ آپ نے یہاں پر قیام کر کے جلیل القدر ائمہ و مشائخ کی خدمات حاصل کیں۔ (ملخص از مقدمہ نزہۃ القاری شرحِ بخاری)

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اس ذوق و شوق اور محنت و جانفشانی سے علم حاصل کیا کہ وقت کے منفرد المثال مجتہد، فقیہ اور عبقری عالم بن گئے۔ قدرت نے آپ کی ذات میں بے شمار خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں۔ آپ کی شخصیت کتنی عظیم خوبیوں کی حامل اور فقہ و حدیث میں آپ کا پایہ کتنا بلند ہے وقت کے عظیم ائمہ کرام کے گرانقدر تاثرات سے روشن وعیاں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

" افقه الناس ابو حنيفة ما رأيت فى الفقه مثله "

ترجمہ: لوگوں میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بڑے فقیہ تھے میں نے فقہ میں ان کے جیسا کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لوگ فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے عیال ہیں"

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

" وكان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا كبير الشان لايقبل جوائز السلطان بل يتجر ويكتسب "

ترجمہ: آپ (امام اعظم) درجۂ امامت پر فائز تھے۔ عالم باعمل پرہیزگار، عبادت گزار اور جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ بادشاہوں کے نذرانے اور تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ تجارتی کاروبار سے معاش حاصل کرتے تھے۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں:

" رأيت رجلا لو كلمك فى هذه السارية ان يجعلها ذهبا لقام بحجته،،

ترجمہ: میں نے (ابوحنیفہ) کو ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو اپنے علم کے زور پر ثابت کر سکتے تھے۔

(ملخص از محدثین عظام حیات وخدمات مصنفہ مولانا ڈاکٹر ابوعاصم)

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمہ گیر شخصیت نے بعض معاصرین اور کچھ

ناعاقبت اندیشوں کو اپنا مخالف بنا دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی شخصیت کو داغدار کرنے کیلئے آپ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم کوششیں کیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل آپ کی شان گھٹانے کی ایک ناپاک کوشش تھی۔ ہوا یہ کہ آپ کے حاسدین کا نام تو مٹ گیا پر آپ کی شخصیت آج بھی آفتاب و ماہتاب بن کر عالم کو روشن و تابناک کر رہی ہے۔

درس و تدریس :

تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مخدوم شیخِ ربانی حضرت حماد رضی اللہ عنہ کی مسند کو زینت بخشی۔ چند ہی مہینوں میں آپکی تدریسی خوبیوں اور صلاحتیوں کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ کوفہ، بصرہ، بغداد اور دیگر علاقوں سے تشنگانِ علوم جوق در جوق آنے لگے۔ حضرت علامہ ابن حجر کے بیان کے مطابق آپکے شاگردوں کا شمار دشوار ہے۔ علامہ سردری نے آپ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ ہزار بیان کی ہے۔

خدمتِ حدیث :

اللہ عز و جل نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کی بے لوث خدمات اور سارے جہان میں سنتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کرنے کے سبب یہ صلہ بخشا کہ آپ کے مذہب (فقہ حنفی) کا دنیا کے نصف سے زائد لوگوں کو پیرو کار بنایا اور آپ کی عقیدت ان کے دلوں میں بٹھا دی۔ لہذا کچھ ناعاقبت اندیشوں کے آپ اپنے زمانے ہی میں محسود ہو گئے تھے۔ حاسدین سے جب آپکی بڑھتی شہرت اور غیر معمولی مقبولیت نہ دیکھی جا

سکی تو انھوں نے طرح طرح کی الزام تراشی شروع کردی چنانچہ کسی نے تو یہ لکھ مارا کہ آپ فنّ حدیث میں قلیل البضاعہ تھے کسی نے کہا کہ آپ اپنے قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور کوئی لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناپاک کوشش کرنے لگا کہ فقہِ حنفی کی اساس سنتِ نبوی پر نہیں بلکہ خود اپنے ذاتی قیاس پر ہے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین حضرات، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذاتی عناد رکھنے کی بنیاد پر لوگوں میں یہی شوروغوغا مچارہے ہیں۔ چنانچہ حقیقتِ واقعہ سے چادرِ تلبیس کو ہٹانے کیلئے چند ائمہ حدیث کے گراں قدر تأثرات پیش کئے جاتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں:

"امامِ ابوحنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے سترہ حدیثیں مروی ہیں۔ یہ بعض حاسدوں کی خام خیالی ہے کہ جس امام سے روایت کم مروی ہوں وہ حدیث میں قلیل البضاعت ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا لغو تخیل کیا ائمہ کے بارے میں سخت گستاخی و بے عقلی نہیں ہے؟" (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۷)

حافظ محمد یوسف شافعی محدث دیار مصر فرماتے ہیں:

"امام اعظم ابوحنیفہ کبارِ اعیانِ حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ اگر ان میں اعتناء بالحدیث نہ ہوتا تو مسائل فقہیہ کا استنباط نہیں کرسکتے تھے" (الحدیث والمحدثون ص ۲۸۴)

حفص بن غیاث فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ جیسا عالم ان احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح

ہوں“ (انوار الباری ج ا ص ۵۹)

امام سیوطی فرماتے ہیں:

”امام اعظم کبارِ حفاظِ حدیث اور ثقہ لوگوں میں سے تھے ان کی تضعیف متعصب لوگوں کے علاوہ کسی نے نہیں کی“ (الحدیث والمحد ثون ص ۲۸۵)

زہدو تقوی :

حضرتِ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ علم و فضل کی بے پایاں دولت کے ساتھ عملِ صالح اور اخلاقِ حسنہ کے مثالی پیکر تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباعِ سنت میں گزرتا۔ خدا ترسی زہدو تقوی کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مصروف رہتے۔ آیت ترھیب پر بے اختیار اشک رواں ہو جاتے ایک بار ” والساعة ادھی و امر“ پر پہونچے تو اس کو رات بھر دہراتے اور زارو قطار روتے رہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے غیر معمولی شغف تھا۔ امام صاحب جس جگہ سے گرفتار کر کے بغداد بھیجے گئے تھے اس مقام پر سات ہزار مرتبہ قرآنِ مقدس مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

(محدثین عظام حیات وخدمات مصنف: مولانا ڈاکٹر محمد ابو عاصم اعظمی)

قصیدۂ نعمانیہ :

حضرتِ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک عظیم محدث، فقیہ، مجتھد، متقی، پرہیز گار، تقوی شعار، عابدو زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشقِ رسول بھی تھے۔ آپ بیشتر اوقات یاد

محبوب میں اشک افشاں رہتے۔ بحرِ عشق میں جب طوفان برپا ہوتا تو عشق رسول میں ڈوبے الفاظ اشعار کی صورت میں بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتے۔ **''قصیدۂ نعمانیہ''** آپ کے جذبۂ عشق اور وارداتِ قلب کا سچا مظہر ہے۔ یوں تو شعر گوئی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مخصوص فن نہیں لیکن آپ کے قصیدے کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ دیگر فنون کی طرح فن شعر گوئی میں بھی درجۂ امامت پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے قصیدے میں اگر ایک طرف اپنے جذبۂ عشق اور واردات قلب کا اظہار فرمایا ہے تو دوسری طرف آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات سے متعلق ایک مومن کا عقیدہ کیا ہونا چاہئے اس کو بھی بیان فرمایا ہے۔

اس قصیدے میں آپ جگہ جگہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم اہلسنت کے عقائد حضرت امام اعظم کے عقائد سے کس قدر میل کھاتے ہیں۔ مزید فاضلِ شارح نے قصیدے میں مذکور عقائد اہلسنت کو دلائل و براہین اور حکایاتِ سلف صالحین سے ایسا مزین و آراستہ کیا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے تو اپنے ہیں غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

وفات:

دین کی راہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ عہد بنوامیہ میں والی کوفہ ابن ہبیرہ نے آپ کو حکومت کا کوئی منصب پیش کرنا چاہا تو آپ نے قبول نہ کیا، اقتدار کے زعم میں ابن ہبیرہ نے قید کر دیا اور آپ کے سر پر

کوڑے لگوائے۔ آزادی کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے اسی درمیان عباسیوں کا اقتدار قائم ہوا۔ آپ واپس تشریف لائے تو خلیفہ منصور نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی آپ نے ظالم و جابر کے اس عہدے کو قبول نہ کیا اس پر منصور نے آپ کو قید میں ڈال دیا اور روزانہ قید خانے سے نکال کر برسر عام دس کوڑے لگانے کا حکم دیا اور بازاروں میں گھما کر تشہیر کرائی۔ چنانچہ دس روز تک یہ مظالم وقت کے جلیل القدر امام پر ڈھائے جاتے رہے بالآخر آپ کو زہر دیدیا گیا جس کی وجہ سے آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد ہوا۔

جنازہ میں پورا بغداد امنڈ آیا چھ بار نماز جنازہ ادا کی گئی آخری بار آپ کے بیٹے حماد نے نماز جنازہ پڑھائی خزران کے مقبرے میں مدفون ہوئے جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ (ملخص از محدثین عظام: حیات و خدمات)

آج کے اس دورِ الحاد میں جبکہ باطل فرقے بڑی چابک دستی سے نت نئے روپ دھار کر عوامِ اہلسنت کے عقائد کو بگاڑنے اور انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ خود کو حنفی المسلک ظاہر کر کے مسلمانوں کے قلوب سے محبتِ رسول کو چھین لینا چاہتے ہیں سخت ضرورت تھی اس بات کی کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے رسول کریم ﷺ کی ذات والا صفات سے متعلق عقائد کو قرآن و سنت سے مبرہن کر کے عوام کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ عوام ان فریبیوں کے دام فریب میں آنے سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ خدا کا بے پایاں کرم اور احسان ہے کہ اس کارِ عظیم کو انجام دینے کیلئے جماعتِ

اہلسنت کے نوجوان طبقہ میں سے بڑی خوبیوں کی مالک ہونہار شخصیت حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق صاحب قبلہ قادری مصباحی فاضلِ جامعہ اشرفیہ مبارک پور وصدرالمدرسین دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی کا انتخاب فرمایا۔فاضل موصوف نے بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے قصیدے کی تشریح وتسہیل کا کام انجام دیا ہے۔چونکہ اس قصیدے کی شرح عوام الناس کے افادے کے پیش نظر کی گئی ہے لہذا ترجمہ میں نہایت سلیس اور سادہ عبارت استعمال کی گئی ہے۔درسگاہی اصطلاحات سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔تاہم طلبہ کے فوائد کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کے لئے تشریح کے بعد حلّ لغات درج کردیا گیا ہے۔جن اشعار میں عقائدِ اہلسنت کا بیان ہے ان کی شرح وبسط میں قرآنی آیات اور احادیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطورِ استدلال پیش کیا گیا ہے۔

یہ عوامِ اہلسنت کا علمائے اہلسنت کے ذمہ ایک قرض تھا جسے فاضلِ موصوف نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ چکایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے فاضلِ موصوف کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

آمین۔بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از: محمد نور العین مصباحی

استاذ: دارلعلوم محبوبِ سبحانی کرلا ممبئی ۷۰

قصیدۂ نعمانیہ (کامل)

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا   أَرْجُو رِضَاکَ وَأَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا
وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الخَلَائِقِ اِنَّ لِیْ   قَلْباً مَشُوْقاً لَایَرُوْمُ سِوَاکَا
وَبِحَقِّ جَاهِکَ اِنَّنِی بِکَ مُغْرَمٌ   وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّنِی أهْوَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَاخُلِقَ امْرَأٌ   كَلَّاوَلَاخُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَا کَا
اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِکَ الْبَدْرُ اكْتَسٰی   وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّارُفِعْتَ اِلٰی السَّمَآءِ   بِکَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَيَّنَتْ لِسَرَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ نَا دَاکَ رَبُّکَ مَرْحَباً   وَلَقَدْ دَعَاکَ لِقُرْ بِہٖ وَحَبَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ فِيْنَا سَئَلْتَ شَفَاعَةً   لَبَّا کَ رَبُّکَ لَمْ تَکُنْ لِسِوَاکَا
اَنْتَ الَّذِی لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ   مِنْ زَلَّةٍ بِکَ فَازَ وَهُوَ أبَاکَا
وَبِکَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ   بَرْداً وَ قَدْ خَمِدَتْ بِنُورِ سَنَاکَا
وَدَعَاکَ أيُّوبٌ لِضُرٍ مَسَّهٗ   فَأزِيلَ عَنهُ الضُّرُ حِينَ دَعَا کَا
وَبِکَ الْمَسِيْحُ اَتیٰ بَشِيْراً مُخْبِراً   بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَا دِحاً بِعَلَاکَا

وَ كَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلاً بِكَ فِيْ الْقِيَامَةِ يَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَالْأَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِيْ الْوَرٰى وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا
لَكَ مُعْجِزَاتٌ أَعْجَزَتْ كُلَّ الْوَرٰى وَ فَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكَا
نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّهٖ لَكَ مُعْلِناً وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاكَ حِيْنَ أَتَاكَا
وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَتَحْتَمِيْ بِحِمَاكَا
وَكَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ وَشَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَآكَا
وَدَعَوْتَ اَشْجَارًا اَتَتْكَ مُطِيْعَةً وَسَعَتْ اِلَيْكَ مُجِيْبَةً لِنِدَاكَا
وَالْمَآءُ فَاضَ بِرَا حَتَيْكَ وَ سَبَّحَتْ صُمُّ الْحَصٰى بِالْفَضْلِ فِيْ يُمْنَاكَا
وَ عَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِيْ الْوَرٰى وَ الْجِذْعُ حَنَّ اِلٰى كَرِيْمِ لِقَاكَا
وَكَذَاكَ لَا أَثْرٌ لِمَشْيِكَ فِيْ الثَّرٰى وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَا
وَ شَفَيْتَ ذَاالْعَاهَاتِ مِنْ أَمْرَاضِهٖ وَمَلَأْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَا
وَ رَدَدْتَ عَيْنَ قَتَادَةٍ بَعْدَ الْعَمٰى وَابْنَ الْحُصَيْنِ شَفَيْتَهٗ بِشِفَاكَا
وَكَذَا خُبَيْباً وَ ابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدَاكَا
وَعَلِيٌّ مِنْ رَمَدٍ بِهٖ دَاوَيْتَهٗ فِيْ خَيْبَرٍ فَشُفِيْ بِطِيْبِ لِمَاكَا
وَسَئَلْتَ رَبَّكَ فِيْ ابنِ جَابِرِ نِ الَّذِيْ قَدْ مَاتَ اِبْنَاهُ وَقَدْ أَرْضَاكَا
شَاةٌ مَسَسْتَ لِأُمِّ مَعْبَدِنِ الَّتِيْ نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَارُقْيَاكَا
وَ دَعَوْتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّكَ مُعْلِناً فَانْهَلَّ قَطْرُ السُّحْبِ حِيْنَ دُعَاكَا
وَدَعَوْتَ كُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوااِلٰى دَعْوَاكَ طَوْعاً سَامِعِيْنَ نِدَاكَا
وَخَفَضْتَ دِيْنَ الْكُفْرِ يَا عَلَمَ الْهُدٰى وَرَفَعْتَ دِيْنَكَ فَاسْتَقَامَ هُدَاكَا

أعْدَاکَ عَادُوا فِیْ الْقَلِیْبِ بِجَهْلِهِمْ صَرْعٰی وَقَدْ حُرِمُوْ الرِّضٰی بِجَفَاکَا
فِیْ یَوْمِ بَدْرٍ قَدْ أتَتْکَ مَلَائِکٌ مِنْ عِنْدِ رَبِّکَ قَاتَلَتْ أعْدَاکَا
وَالْفَتْحُ جَائَکَ یَوْمَ فَتْحِکَ مَکَّةً وَالنَّصْرُ فِیْ الأحْزَابِ قَدْ وَافَاکَا
هُوْدٌ وَیُوْنُسُ مِنْ بَهَاکَ تَجَمَّلَا وَجَمَالُ یُوْسُفَ مِنْ ضِیَاءِ سَنَاکَا
قَدْ فُقْتَ یَا طٰهٰ جَمِیْعَ الْأنْبِیَآءِ طُرّاً فَسُبْحَانَ الّذِیْ أسْرَاکَا
وَاللّٰهِ یَا یٰسِیْنُ مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ فِیْ الْعَالَمِیْنَ وَحَقِّ مَنْ أنْبَاکَا
عَنْ وَصْفِکَ الشُعَرآءُ یَا مُدَّثِّرُ عَجَزُوا وَکَلُّوْ مِنْ صِفَاتِ عَلَاکَا
اِنْجِیْلُ عِیْسٰی قَدْ اَتٰی بِکَ مُخْبِرًا وَ لَنَا الْکِتَابُ اَتٰی بِمَدْحِ حُلَاکَا
مَا ذَا یَقُولُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰی اَنْ یَجْمَعَ الْکُتَّابُ مِنْ مَعْنَاکَا
وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُهُم وَالشُعْبُ أقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاکَا
لَمْ یَقْدِرِ الثَّقَلَانِ تَجْمَعُ نَزْرَهٗ أبَداً وَمَا اسْطَاعُوالَهٗ اِدْرَاکَا
بِکَ لِیْ قُلَیْبٌ مُغْرَمٌ یَا سَیِّدِیْ وَ حُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاکَا
فَاِذَا سَکَتُّ فَفِیْکَ صَمْتِی کُلُّهٗ وَاِذَانَطَقْتُ فَمَا دِحاً عُلْیَاکَا
وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلاً طَیِّباً وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَاأرٰی اِلَّاکَا
یَا مَالِکِی کُنْ شَافِعِی فِیْ فَاقَتِیْ اِنِّیْ فَقِیْرٌ فِیْ الْوَرٰی لِغِنَاکَا
یَا أکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی جُدْلِی بِجُودِکَ وَ أرْضِنِی بِرِضَاکَا
أنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِمِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِیْ الْاَنَامِ سِوَاکَا
فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْهِ عِنْدَ حِسَابِهٖ فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکاً بِعُرَاکَا
فَلَاَنْتَ أکْرَمُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ وَمَنِ الْتَجَا بِحِمَاکَ نَالَ رِضَاکَا

فَـا جْـعَـلْ قِـرَاکَ شَـفَـاعَةً لِیْ فِیْ غَدٍ   فَـعَسٰی أرٰی فِیْ الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاکَا
صَـلّٰی عَـلَیْکَ الـلّٰـهُ یَـاعَلَمَ الْهُدٰی   مَـاحَـنَّ مُشْتَـاقٌ اِلٰـی مَثْوَاکَـا
وَعَـلٰی صَـحَـابَتِکَ الْکِرَامِ جَمِیعِهِمْ   وَالتَّـابِـعِیْـنَ وَکُـلِّ مَـنْ وَالَاکَـا

☆☆☆☆☆

(المستطرف فی کل فنٍّ مستظرف ج ا ص ۲۳۲/۱۹۴

علامه شهاب الدین محمّد بن احمد ابو الفتح ابشیهی

دارالکتب العلیمیة بیروت لبنان ۱۹۸۶)

أَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِیْ الإِحْسَانِ وَ الْمِنَّۃِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی سَیِّدِ الإِنْسِ وَالْجِنَّۃِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَأَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھَدَوْا اِلٰی طَرِیْقِ الْجَنَّۃِ وَالأَیِمَّۃِ الَّذِیْنَ نَشَرُوْا مَعَانِیَ الْکِتَابِ وَ السُّنَّۃِ لَا سِیَّمَا عَلٰی الإِمَامِ اْلأَعْظَمِ الَّذِیْ ھُوَ سِرَاجُ الْأُمَّۃِ وَکَا شِفُ الْغُمَّۃِ

(۱) یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا
أَرْجُوْ رِضَاکَ وَأَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

(۲) وَاللّٰہِ یَاخَیْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِیْ
قَلْبًا مَشُوْقًا لَا یَرُوْمُ سِوَاکَا

[ترجمہ] اے شہنشاہ! میں بالقصد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی رضا چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی پناہ گاہ میں پناہ کا خواہش مند ہوں۔

اے مخلوق میں سب سے بہتر ذات! بخدا میرا دلِ مشتاق آپ کے علاوہ کسی اور کا طالب نہیں۔

بالقصد نبی ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا استحباب:

قصیدے کے پہلے شعر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول "جئتک قاصداً" [یارسول اللہ میں آپ ہی کی بارگاہ کا قصدوارادہ کر کے حاضر ہوا ہوں] کے ذریعہ اہلِ سنّت وجماعت کے اس اجماعی عقیدے کا اظہار فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی مزارِ پاک بلکہ جملہ انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین کی قبر انور کی زیارت کے قصد وارادے سے سفر کرنا مستحسن اور عظیم ترین قربت ہے۔رحمت و برکت کا سبب اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔اس کا استحباب متعدد دلیلوں سے ثابت ہے۔

لیکن غیر مقلدین وہابیہ کہتے ہیں کہ صرف قبرِ انور کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنا معصیت اور ناجائز وحرام ہے۔اس سفر میں نمازوں میں قصر کرنا بھی جائز نہیں۔ہاں اگر مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کا قصدوارادہ ہو اور اسی کے ضمن میں قبرِ انور کی زیارت کر لی جائے تو یہ جائز ہے۔

چنانچہ ان کے متفق علیہ امام وپیشوا ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ لکھتے ہیں:

"واماً اذا کان قصده بالسفر زیارة قبر النبیؐ دون الصلوة فی مسجده فهٰذه المسئلة فیها خلاف فالذی علیه الائمة و اکثر العلماء انّ هٰذا غیر مشروع ولا مأمور به لقوله ﷺ "لا تشد الرحال الاّ الیٰ ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجدی هٰذا والمسجد الاقصیٰ ولهذا لم یذکر العلماء ان مثل هذا السفر اذا نذر یجب الوفآء به بخلاف السفر الیٰ

المساجد الثلاثة ،،

(الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثۃ)

ترجمہ: جب سفر سے مقصود صرف نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کرنا ہو، آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا قصد نہ ہو تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ وعلما کا موقف یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے اور اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں۔ میری یہ مسجد، مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔

(الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲۷ ص: ۲۶۔۲۷)

جملہ غیر مقلدین ابن تیمیہ کے اس فتوے کو وحیِ الٰہی کا درجہ دیتے ہیں حالانکہ ابن تیمیہ کا یہ فتویٰ، استحباب کا قول کرنے والے علمائے کرام اور ائمۂ عظام کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ''اکثر علما وائمہ نے اس کے ناجائز ہونے کا قول کیا ہے،، بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ کیوں کہ اس سفر کے مستحب ہونے پر تمام اربابِ حلّ وعقد کا اجماع ہے۔ ابن تیمیہ کے اسی فتوے کی بنا پر بعض علما نے ان کی تکفیر کی ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''ابن تیمیہ پر کفر کا فتویٰ لگانا حق کے زیادہ قریب ہے۔ کیوں کہ جس کی اباحت پر اجماع ہو تو اس کا انکار کرنا کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اسے حرام وناجائز قرار دینا بدرجۂ اولیٰ کفر ہوگا،،

تفصیل کے لئے دیکھئے !(شرح مسلم للسعیدی ج ۳ ص:۶۴۷ بحوالہ شرح الشفاء علی ھامش نسیم الریاض ج ۳ ص:۵۱۴)

ظاہری بات ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہوسکتی۔ ورنہ اِن تین مساجد کے علاوہ ہر جگہ کا سفرنا جائز وحرام ٹھہریگا۔ اورکوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ کیوں علم دین حاصل کرنا، دوست واحباب اور رشتے داروں سے ملاقات کرنا اور دعوت وتبلیغ کے لئے سفر کرنا سب کے نزدیک مستحسن ہے، کوئی بھی ان اَسفار کا انکار نہیں کرسکتا ورنہ راہیں مسدود ہوجائیں گی اور دینی تقاضوں پر عمل نہیں ہوسکے گا۔

توجب اِن اسفار کی ممانعت حدیث سے ثابت نہیں تو اولیاء وصالحین کی زیارت کے لئے شدِّ رحال کرنے کی ممانعت اِس میں کیسے داخل ہوسکتی ہے؟۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مایۂ ناز محقق ومحدث حضرت علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وا ختلف فی شدِّ الرِّحال الیٰ غیرھا کالذھاب الیٰ زیارۃ الصالحین احیآءً و امواتاًو الیٰ المواضع الفاضلۃ لقصدِ التبرّک بھا والصلوۃ فیھا ......والصحیح عند امام الحرمین وغیرہ من الشافعیۃ أنّہٗ لا یحرم .و أجابوا عن الحدیث بأجوبۃ .منھا أنّ المراد أنّ الفضیلۃ التامّۃ انّما ھی فی شدِّ الرِّحال الیٰ ھٰذہ المساجد بخلافِ غیرِھا فاِنّہٗ جائزٌ...... و منھا أنّ النھی مخصوصٌ بمن نَذَرَ علیٰ نفسہ الصلٰوۃ فی مسجدٍ من سائر

المساجد غیر الثلاثة فانّهٗ لا یجب الوفآء به ......و منها أنّ المرادَ حکم المساجد فقط و أنهٗ لا تُشَدُّ الرِّحالُ الیٰ مسجدٍ من المساجد للصلوة فیه غیر هٰذه الثلاثة و أما قصدغیر المساجدِ لزیارةِ صالحٍ او قریبٍ او صاحبٍ أو طلبِ علمٍ أو تجارة أو نزهة فلا یدخل فی النهی و یؤیدهٗ ما رویٰ احمدُ من طریق شهر بن حوشب قال: سمعت ابا سعید و ذکرت عنده الصلوة فی الطور فقال: قال رسول الله ﷺ ﴿لا ینبغی للمصلّی أن یشد رحاله الیٰ مسجد تبتغیٰ فیه الصلوة غیر المسجد الحرام و المسجد الأقصٰی و مسجدی﴾ و شهر حسن الحدیث و ان کان فیه بعض الضعف و منها انّ المراد قصدُها بالاعتکاف فیما حکاه الخطابی عن بعض السَّلَفِ أنهٗ قال: لا یعتکف فی غیرها... الخ.

ترجمہ:ان تین مساجد کے علاوہ مثلاً زندہ یا وفات یافتہ صالحین کی زیارت کے لئے یا مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنے کے لئے اور وہاں نماز پڑھنے کے ارادے سے سفر کرنے میں علما کا اختلاف ہے۔امام الحرمین وغیرہ ائمۂ شافعیہ کے نزدیک یہ سفر حرام نہیں ہے اورانہوں نے اس حدیث پاک کے کئی جواب دیئے ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ کہ فضیلتِ تامّہ انہیں تین مساجد کا سفر کرنے میں ہے،ان کے علاوہ کے لئے شدِّ رِحال جائز تو ہے لیکن اس میں فضیلتِ تامہ نہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اِن تین مسجدوں کے

علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانیں ۔کیوں کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ۔
(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیثِ پاک سے صرف مساجد کا حکم بیان کرنا مقصود ہے،بس۔ یعنی ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادے سے شدِّ رحال نہ کیا جائے۔اور رہا اِن مساجد کے علاوہ کا قصد وارادہ کرنا مثلاً کسی اللہ والے، یا قریبی رشتے دار ، یا دوست ، یا طلبِ علم ، یا تجارت ، یا تفریح کے لئے سفر کرنا تو حدیثِ پاک میں اس سے منع نہیں کیا گیا۔اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت شہر بن حوشب کی سند سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: جب میں نے حضرت ابو سعید کے پاس طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ مسجدِ حرام ، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا نماز پڑھنے کے لئے کسی اور مسجد کا قصد وارادہ کرے۔اور شہر بن حوشب میں اگر چہ کچھ ضعف ہے لیکن ان کی یہ حدیث حسن ہے۔
(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اعتکاف کرنے کے لئے صرف انہیں تین مساجد کا قصد وارادہ کیا جائے۔اسے خطابی نے بعض سلف سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ان تین مساجد کے علاوہ میں اعتکاف نہ کیا جائے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص: ۸۳۔۸۴)

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ روضۂ انور اور دیگر صالحین کی قبر انور کی زیارت کے لئے شدِّ رِحال (سفر کرنا) اِس ممانعت میں داخل نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی چند سطر کے بعد اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال الکرمانی: وقع فی ھذہ المسئلة فی عصرنا فی البلاد الشامية مناظرات کثیرة و صنف رسائل من الطرفین . قلت: یشیر الٰی ما ردّ به الشیخ تقی الدین السبکی و غیرہ علٰی الشیخ تقی الدین بن تیمیة و ما انتصر به الحافظ شمس الدین بن عبد الھادی وغیرہ لابن تیمیة و ھی مشھورة فی بلادنا . والحاصل انھم الزموا ابن تیمیة بتحریم شدّ الرحال الٰی زیارة قبر سیدنا رسول اللہ ﷺ و انکرنا صورة ذٰلک. و فی شرح ذٰلک من الطرفین طول و ھی من ابعش المسائل المنقولة عن ابن تیمیة "

ترجمہ: علامہ کرمانی نے کہا: کہ ہمارے زمانے میں شام کے شہروں میں اس مسئلے پر کافی مناظرے ہوئے ہیں اور دونوں جانب سے (ایک دوسرے کے رد میں) رسالے لکھے گئے ہیں۔

(ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی کا اشارہ ان کتابوں کی طرف ہے جو علامہ سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد و ابطال میں لکھی ہیں اور ابن تیمیہ کی موافقت میں شمس الدین بن عبد الہادی نے لکھی ہیں۔ ہمارے شہروں میں یہ کتابیں مشہور ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ ان علما نے ابن تیمیہ پر یہ لازم کیا ہے کہ انہوں نے شدِّ رِحال والی حدیث کی وجہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز و حرام لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مکروہ و ناپسندیدہ قول ہے۔ اگر جانبین کے دلائل پیش کئے جائیں تو گفتگو کافی دراز ہو جائیگی اور یہ مسئلہ ان تمام مسائل میں سب سے زیادہ مکروہ و ناگوار ہے جو ابن تیمیہ سے منقول ہیں۔ (فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص: ۸۵)

اس پوری بحث سے ثابت ہوا کہ خاص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور اور دیگر صالحین کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے شدِّ رحال (سفر کرنا) جائز و مستحب ہے۔ حدیثِ مذکور سے اس کی ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔

لہٰذا ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا قول باطل و مردود اور نا قابلِ التفات ہے۔ نحوی قواعد کے لحاظ سے بھی ایسے سفر کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ یہ حرام و ناجائز ہو۔ کیوں کہ استثناء کے باب میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔ اِس اصول کو پیشِ نظر رکھنے سے حدیثِ پاک کا معنیٰ و مفہوم یہ بنتا ہے کہ ''مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کی جانب (اعتکاف کرنے، یا نماز پڑھنے) کے لئے سفر نہ کیا جائے،، **فاتضح ما هو المراد با لحديث بأحسنِ طريق.**

اس بحث کے اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیارتِ قبرِ انور علیٰ صاحبہ التحیۃ والسلام کی فضیلت پر چند حدیثیں پیش کر دی جائیں تا کہ دعویٰ دلیل سے ثابت ہو جائے۔

زیارتِ قبرِ رسول ﷺ کی فضیلت میں احادیث:

حضرت امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

(۱) عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال النبی ﷺ: من زار قبری وجبت له شفاعتی.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے روضے کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب وثابت ہوگئی۔

(۲) عن انس ابن مالک رضی الله تعالی عنه قال : قال رسول الله ﷺ :من زارنی فی المدینة محتسباً کان فی جواری و کنت له شفیعاً یوم القیامة و فی حدیثٍ آخر ، من زارنی بعد موتی فکانّما زارنی فی حیاتی.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ثواب کی نیت سے مدینے میں میری زیارت کی، اسے میرا پڑوس حاصل ہوگا اور میں بروزِ قیامت اس کی شفاعت فرماؤنگا۔ اور ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ جس نے میرے وصال کے بعد میری قبرِ انور کی زیارت کی گویا اس نے میری ظاہری حیات میں میری زیارت کی۔

(الشفاء بتعریفِ حقوقِ المصطفیٰ ج ۲ ص: ۸۴/۸۳)

(۳) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله ﷺ من

حجّ البیت و لم یزرنی فقد جفانی.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خانۂ کعبہ کا حج کیا اور اس نے (قدرت کے باوجود میری بارگاہ میں آکر) میرے روضے کی زیارت نہیں کی تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

(شرح مسلم للسعیدی بحوالہ فردوس الاخبار ج۴ ص:۱۷۔ کنز العمال ج۵ ص:۱۳۵)۔

قبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے شدِّ رِحال کرنے کے استحباب پر ہمارے علما نے قرآن مقدس سے بھی استدلال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے شیخ المحد ثین حضرت علامہ مفتی سید احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمۃ کی مایۂ ناز تصنیف " الـدُّرَرُ السَّنِیَّۃُ فِی الرَّدِّ عَلٰی الوَھَابِیَّۃِ،، کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ (راقم الحروف کو ''تابناک موتی،، کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے)

ہٹ دھرمی کی انتہا:

ابن تیمیہ اور محمد ابن عبد الوہاب نجدی کے پیروکاروں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کی قوتِ فکر کو ضلالت و گمرہی کے دبیز پردوں نے زنگ آلود کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور مقلّدانہ ذہنیت رکھنے والے اہلِ سنت و جماعت کو اپنی ملامت و طعن کا شکار بنانے والے نام نہاد غیر مقلدین اپنے جاہل اماموں کی تقلید کرتے نہیں شرماتے اور اپنے پیشواؤں کی اندھی تقلید میں احادیثِ صحیحہ کو ضعیف بلکہ موضوع کہتے نہیں تھکتے۔

ابن تیمیہ کے ایک بہت بڑے اندھے مقلد جناب عبدالعزیز بن باز ''فتح الباری شرح البخاری،، کے حاشیہ میں اپنا یہ فرمان جاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ھٰذا اللازم لا بأس به و قد التزمه الشیخ و لیس فی ذٰلک بشاعة بحمد الله عند من عرف السنّة . والاحادیث المرویة فی فضل زیارة قبرِ النبی ﷺ کلها ضعیفة بل موضوعة کما حقق ذٰلک ابو العباس فی منسکه و غیره ...... (حاشیہ فتح الباری ج۳ص:۸۵)

ترجمہ: شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ قبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے شدِّ رِحال کے عدمِ جواز کا جو التزام کیا ہے تو سنّت کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک بحمد اللہ نہ تو اس میں کوئی حرج ہے اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی کراہت۔ اور قبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی فضیلت کے باب میں جو حدیثیں مروی ہیں وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں جیسا کہ ابوالعباس وغیرہ نے اپنی منسک میں اس کی تحقیق کر لی ہے۔

یہ ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و شان کو بیان کرنے والی تمام حدیثیں ان کے نزدیک ضعیف اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ ہم تقلید کریں تو بدعتی اور مشرک ٹھہریں اور خود دوسروں کی تقلید میں حدیثوں کو ضعیف و موضوع کہنے والے یہ جاہل، پکّے موحد و محافظِ توحید قرار دئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں عقل و خرد کو استعمال کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ امام اہلِ سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں:

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ　　پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

حیاتُ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روشن ثبوت:

ان اشعار میں سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کی ہے کہ'' حضور ہم سے راضی ہو جائیں اور ہمیں اپنی پناہ میں لے لیں،، اور استغاثہ وفریاد اسی سے کی جاتی ہے جو زندہ ہو اور دینے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ تو گویا صاحبِ قصیدہ نے اِس شعر کے ذریعہ اپنے اس عقیدہ کا اعلان واظہار فرمایا کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور امت کی فریادوں کو سنتے اور ان کی حاجتوں کو رفع فرماتے ہیں۔

سبھی اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام وصال فرمانے کے بعد بھی زندہ ہیں، ان پر لفظ'' مردہ،، کا اطلاق بنصِّ قرآن وحدیث ناجائز وحرام ہے۔ انہیں مردہ وہی کہتے یا گمان کرتے ہیں جو خود مردہ ہیں اور ان کے پاس ایمان کا کچھ بھی حصہ نہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے ان پر ایک آن کے لئے موت طاری کی۔ اُس ایک آن کے بعد پھر انہیں حقیقی جسمانی حیات عطا کر دی گئی۔

اسی عقیدہ کی ترجمانی امامِ اہلِ سنّت، مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے ان اشعار میں کی ہے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے　　مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات　　مثلِ سابق وہی جسمانی ہے

یہ عقیدہ قرآن مقدس اور احادیث صحیحہ بلکہ خود مخالفین کی کتابوں سے ثابت ہے۔

بغرضِ اختصار صرف آیات قرآنیہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ. بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں (البقرہ۔۲:۱۵۴)

(۲) ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا . بَلْ أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ☆ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو مردہ گمان بھی نہ کرو جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے یہاں رزق پاتے ہیں اور ان انعامات پر خوش ہوتے ہے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں اور وہ بشارتیں پاتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو ابھی ان سے نہیں ملے اور پیچھے رہ گئے ہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

(آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰)

ان دونوں آیتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ شہدائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اللہ رب العزت بعدِ شہادت ایسی کامل ترین زندگی عطا فرماتا ہے کہ ان کو مردہ کہنا تو درکنار انہیں مردہ گمان کرنا بھی جائز نہیں۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی شان چونکہ شہداء سے ارفع واعلیٰ ہے اس لئے یہ آیاتِ مبارکہ حیاتِ انبیاء پر بھی دلالت کر رہی ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ تاجدارِ عرب وعجم، انیسِ بے کساں، چارہ سازِ دردمنداں، سیّدِ سروراں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ تو انبیائے کرام سے بھی بلند و بالا ہے اس لئے اِن آیاتِ کریمہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ بھی ثابت ہوتی ہے ۔

اگر کوئی بدبخت وہابی، غیر مقلد یا دیوبندی یہ کہے کہ قرآن مقدس نے صرف شہداء کو مردہ کہنے یا گمان کرنے سے منع کیا ہے۔ انبیائے کرام کے بارے میں ایسی کوئی آیت نہیں ملتی جس میں ان کو مردہ گمان کرنے سے یا کہنے سے روکا گیا ہو۔ لھذا یہ حکم صرف شہداء کا ہوگا حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اس حکم میں شامل نہیں کیا جائیگا۔ لھذا انہیں مردہ کہنا یا سمجھنا جائز ہے **(معاذ اللہ)**.

تو اس ملعون سے کہا جائیگا کہ قرآن مقدس کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کم درجہ والے کا حکم بیان فرماتا ہے۔ اس حکم کو سن کر اہلِ عقل و دانش اونچے درجے والے کا حکم خود بخود معلوم کر لیتے ہیں۔ اس کو مثال سے یوں سمجھو کہ قرآن مقدس نے فرمایا ﴿**ولا تقل لھما اُفٍّ**﴾ [اور ماں باپ کو اف تک نہ کہو] (بنی اسرائیل پ ۱۵) اس آیت کریمہ سے جب یہ ثابت ہوا کہ

ماں باپ کو اف تک کہنا جائز نہیں تو یہ بھی پتہ چل گیا کہ انہیں گالی دینا، ان کی شان میں نازیبا کلمات بکنا، انہیں آنکھیں دکھانا، دھکا دینا اور مارنا پیٹنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز و حرام ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ''اُف،، کہنے سے بڑھ کر ہیں۔ کیا کوئی وہابی یہ جرأت کرسکتا ہے کہ اپنے ماں باپ کو''اف،، تو نہ کہے لیکن انہیں مارے پیٹے، برا بھلا کہے اور سخت اذیتیں پہونچائے؟ اور یہ کہے کہ ''اُف،، کہنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ مارنے اور پیٹنے سے۔ ایسی باتیں وہی کرتے ہیں جن کے پاس گدھے کے برابر بھی عقل نہیں۔

تو جب قرآن کا مزاج یہ ہے کہ ادنیٰ کا حکم بیان کرتا ہے اور اہلِ عقل و دانش اس کی روشنی میں اعلیٰ کا حکم خود بخود جان لیا کرتے ہیں۔ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ شہداء سے کہیں درجہ زیادہ ہے(کوئی بدبو سے بدبودار وہابی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا ہے) تو یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ جب کم درجے والے شہداء کو مردہ کہنا یا مردہ گمان کرنا جائز نہیں تو جن کا مرتبہ نہایت ارفع و اعلیٰ ہے (یعنی حضرات انبیائے کرام علیھم الصلوۃ والسلام اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان کو مردہ کہنا یا مردہ گمان کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اور جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں انہیں چاہئے کہ یہ بھی اعلان کردیں کہ شہداء کرام کا مرتبہ انبیائے کرام سے زیادہ ہے۔ (اور اگر یہ لوگ اعلان کردیں تو ان سے کچھ بعید بھی نہیں)۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا. أَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

آلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ رسول جو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث فرمائے، ان سے پوچھئے! کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کوئی معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے۔ (زخرف:۴۵)

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حبر الامہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب معراج کی رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے تمام رسولوں کو مسجدِ اقصیٰ میں جمع فرمایا۔ حضرت جبریل امین نے اذان دیکر اقامت کہی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آگے آکر ان کی امامت فرمائیں! جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: ان رسولوں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث کیا ہے دریافت کیجئے! تو آپ نے فرمایا میں نہیں پوچھتا کیونکہ اس میں مجھے کوئی شک نہیں ہے (تفسیر کبیر ۲۷:۲۱۶)۔

اس آیتِ کریمہ سے حیاتِ انبیاء پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب کرنے کا حکم کیا جانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات تسلیم کی جائے۔ کیونکہ خطاب اسی سے درست ہوسکتا ہے جس کے اندر سننے کی صلاحیت ہو اور سننا حیات کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے بے جان چیز سے خطاب کرنے والے نا سمجھ کہے جاتے ہیں۔ جب خطاب کرنا حیات کا تقاضا کرتا ہے تو اِس سے حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ثابت ہوئی اور جب انبیائے کرام کی حیات ثابت تو حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی۔ کیونکہ آپ تمام نبیوں کے نبی اور سردار ہیں، تمام انبیاء آپ کی امت میں ہیں اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ امتیوں کے لئے حیات ثابت ہو نبی کے لئے ثابت نہ ہو۔اسی لئے تو سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

ندائے یارسول اللہ کا جواز:

چوں کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ کے پہلے شعر میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو صیغۂ ندا ''یـــا،، کے ذریعہ پکارا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جواز پر بھی کچھ کلام ہو جائے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''صیغۂ ندا،، کے ساتھ پکارنا جس طرح حیاتِ ظاہری میں جائز تھا اسی طرح بعدِ وصال بھی جائز ہے۔

آپ کو حیاتِ ظاہری میں پکارنے کا ثبوت اس حدیث پاک میں ہے جسے حضرتِ امام مسلم نے اپنی صحیح ج ۲ باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے

"فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدام فی الطرق ینادون یا محمد یا رسول اللہ ! یا محمد یارسول اللہ"

ترجمہ: تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام گلی اور کوچوں میں پھیل گئے وہ نعرے لگا رہے تھے یا محمد یا رسول اللہ! یا محمد یا رسول اللہ! (الصحیح لمسلم ج ۲ ص: ۴۱۹)

اس کا ثبوت اس حدیث پاک میں بھی ہے جو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔فرماتے ہیں:

ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے: یا رسول اللہ !میں نابینا ہوں میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں ہے،۔بڑی مشقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔آپ دعا فرمادیں تو اس مصیبت سے نجات مل جائے۔حضور چارہ سازِ دردمنداں ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے معاملے کو موخر کردوں (یعنی دعا نہ کروں) اور یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر چاہے تو دعا کردوں۔اس نے کہا حضور! دعا ہی فرمادیں .**فامره أن يتوضأ فيحسن وضوءه و يصلی ركعتين و يدعو بهٰذا الدعاء "اللهم انی اسئلک واتوجه اليک بمحمد ﷺ نبی الرحمة يا محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی هٰذه لتقضی اللهم شفعه فِيَّ قال ابو اسحاق هٰذا حديث صحيح،،**

(السنن لابن ماجہ ص ۹۹ ۔ الجامع للترمذی ج ۲ ص ۱۹۷)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کرے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اس طرح دعا کرے۔اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیِ رحمت کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ کی جانب متوجہ ہوا ہوں۔اے محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی جانب متوجہ ہوا ہوں کہ وہ میری یہ حاجت رفع فرمادے۔اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما! ابو اسحٰق نے کہا: یہ

حدیث مرتبۂ صحت پر فائز ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ واللہ ابھی ہم جدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ نابینا ہمارے پاس اس طرح آیا گویا وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔

یہ ندا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعدِ وصال بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین نے آپ کو ''صیغۂ ندا،، کے ساتھ پکارا ہے چنانچہ حضرت امام طبرانی رضی اللہ عنہ نے جہاں پر یہ حدیث نقل کی ہے وہیں پر یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ:

ایک حاجت مند پریشان حال حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آتا تھا۔لیکن مصروفیت کی وجہ سے حضرت عثمان کی توجہ ادھر مبذول نہ ہوتی تھی۔کئی مرتبہ آنے کے بعد بھی جب اس کا کام نہ بنا تو اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے پاس جاکر عرض کیا کہ میں بارگاہِ خلافت میں عرضی لے کر جاتا ہوں لیکن میری شنوائی نہیں ہوتی۔انہوں نے کہا:تم وضوخانے میں جاکر اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت پڑھ کر یہ دعا مانگو۔

''اللھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبینا محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربک فیقضی حاجتی،،

اس حاجت مند نے اس ہدایت پر عمل کیا پھر جیسے ہی بارگاہِ خلافت میں پہونچا دربان نے ہاتھ تھام کر فوراً بارگاہِ خلافت میں پہونچا دیا۔خلیفۃ المسلمین نے فوراً اس کی

حاجت روائی فرمائی اور اس سے فرمایا کہ جب بھی کوئی حاجت درپیش آئے بلا جھجک چلے آیا کرو۔ وہ شخص جب حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا تو کہنے لگا کہ میرا کام نہ بنتا تھا اب آپ کی سفارش سے میرا کام بنا ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ میں نے کوئی سفارش نہیں کی ہے بلکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کیا ہے۔ پھر نابینا والا پورا واقعہ اس کے سامنے بیان کیا۔

(المعجم الصغیر ص:۱۰۳۔ بحوالہ انوار الانتباہ فی حل ندائے یارسول اللہ)

بعدِ وصال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنے کا ثبوت اس قصیدہ مبارکہ میں بھی ملتا ہے جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے آپ کی شان میں کہا تھا۔ یہ قصیدہ خاصا طویل ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

ألا یارسو ل الله کنت رجاء نا　　وکنت بنا برا ولم تک جافیا

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امید تھے۔ ہم پر شفیق و مہربان تھے سخت نہ تھے۔

نیز اسلاف کرام میں بہت سے شعراء و مادحین نے اپنے اپنے اشعار و قصائد میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا دی ہے۔ ایک اجمالی فہرست ملاحظہ فرمائیں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ: اے حسن و جمال کے پیکر! اور اے سارے انسانوں کے آقا و مولا! آپ کے رخِ انور سے ہی چاند کو روشنی اور تابانی ملی ہے۔ کما حقہ تو آپ کی حمد و ثنا ممکن ہی نہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ آپ کی شانِ اقدس میں جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ خدا کے بعد ساری مخلوق سے برتر و بالا اور افضل و اعلیٰ آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

محمد رضا عبد الجبار العانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارتے ہیں:

یا منقذ الانسان تاہ مسیرہ
تیہ السفینۃ مالہا ملاح
یا خیر من وطی الثری وادیمہ
فی الخافقین لوائکم لواح

ترجمہ: اے انسانوں کو نجات دینے والی ہستی! جو کہ اس طرح راستہ بہک چکے تھے جس طرح ناخدا کے بغیر کشتی راستہ بہک جاتی ہے۔

اے روئے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ذات! آپ کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرا رہا ہے۔

مشہور مؤرخ عبد الرحمٰن بن خلدون فرماتے ہیں:

یاسید الرسل الکرام! ضراعةً تقضی مُنیٰ نفسی و تذھب حوبی

ترجمہ: اے معظم رسولوں کے سردار! میں آپ کی بارگاہ میں ایسی التجا کر رہا ہوں جو میری آرزو برلائے اور میرے گناہ ختم کردے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ندا کرتے ہیں:

نبی اللہ یا خیر البرایا

بجاھک اتقی فصل القضاء

ترجمہ: اے اللہ کے نبی! اے مخلوق میں سب سے افضل ہستی! آپ ہی کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں (قیامت میں) صاف فیصلے سے بچ سکوں گا۔

تف ہے ایسی تقلید پر:

میں نے اسلافِ کرام کے کلامِ منظوم کے چند نمونے پیش کر دیئے جن سے واضح ہو گیا کہ سلفِ صالحین اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارتے، آپ کی بارگاہ میں پناہ تلاش کرتے اور استغاثہ پیش کرتے تھے۔ اب میں شرک و بدعت کی تسبیح پڑھنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر اہلِ سنت و جماعت "یارسول اللہ" کہنے کی وجہ سے بدعتی بلکہ مشرک تک بن گئے تو پھر صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، اور سلفِ صالحین کے بارے میں کیا کہیں گے کیا معاذ اللہ وہ بھی...... پھر تو بنیانِ شریعت ہی منہدم ہو جائے گی۔ کیونکہ نورِ ایمان انہیں نفوسِ قدسیہ کے واسطے سے ہم تک پہونچا ہے۔ تو جب سقوطِ عدالت کی وجہ سے وہ قابلِ اعتبار ہی نہ رہے تو پھر یہ کس دین کی دعوت دی جا رہی ہے اور کس مذہب کے حلقہ بگوش کرنے کیلئے گلی کوچوں کا چکر لگایا جا رہا ہے۔ ہمیں تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنے حنفی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں اس کے باوجود ان امور کو ناجائز، بدعت اور شرک تک

سمجھتے ہیں جن پر سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عمل رہا ہے بھلا کوئی بتائے یہ کیسی تقلید اور کیسی حنفیت ہے؟

اور جو لوگ اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں خود ان کے امام نواب صدیق حسن بھوپالی اپنے قصیدہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یا سیدی یا عروتی ووسیلتی
یا عدتی فی شدتی ورخاءِ

قد جئت بابک ضارعا متضرعاً
متأوّھا بتنفس صعداء

مالی ورائک مستغاث فارحمن
یا رحمۃ للعٰلمین بکائی

(ا) ترجمہ: اے میرے آقا! میرے سہارے! میرے وسیلے! سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے!

(۲) میں آپ کے دروازے پر حاضر ہوں اس حال میں کہ میں ذلیل ہوں گڑگڑا رہا ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے۔

(۳) آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے جس سے مدد مانگی جائے۔ اے رحمۃ للعالمین! میری آہ وبکا پر رحم فرمایئے (ندائے یارسول اللہ ص ۲۱ بحوالہ حاشیہ ہدیۃ المہدی ص ۲۰)۔

نام بتائے بغیر یہی اشعار نام نہاد غیر مقلدین کے سامنے پیش کیے جائیں تو ان کی

کفری مشین فوراً حرکت میں آجائے گی اور اس قائل کو مشرک بنا کر فوراً دائرۂ اسلام سے خارج کردیا جائے گا۔لیکن جب بتادیا جائے کہ یہ نواب صاحب کے اشعار ہیں تو زبانوں پر تالے لگ جائیں گےاور فتوئ کفر صادر کرنے کیلئے قلم کی سیاہی خشک ہوجائے گی اور صاحب قصیدہ کو مومن ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا جائے گا۔ یہ ہے وہابیوں کے ایمان وکفر کا معیار (واللہ الھادی الی الحق والصواب)

[**حلِّ لغات**] ''یا،،۔حرف ندا۔''سید،،۔سردار۔آقا۔بادشاہ (جمع) سادات۔''سید السادات،،سے رسول پاک صلی اللہ تبارک و تعالی علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔''جئتك،،:جاء یجیء (ض) سے واحد متکلم کا صیغہ۔آنا۔''قاصد،،:اسم فاعل ازقصد یقصد (ض) بمعنی قصد کرنا۔توجہ کرنا۔''أرجو،،۔صیغہ واحد متکلم از رجا یرجو رجاء (ن) امید کرنا۔پرامید ہونا۔'' رضا،مصدر از باب سمع راضی ہونا۔خوش ہونا۔''احتمی،،صیغہ واحد متکلم از باب افتعال بمعنی رکنا۔بچنا اور پناہ چاہنا۔''حِمی،،۔چراگاہ جس میں دوسرے لوگوں کے جانور کو چرانے سے ممانعت ہو۔ہر وہ چیز جس کی حفاظت کی جائے۔پناگاہ۔"واللہ،،واؤ حرف جار برائے قسم۔"خلائق،، (واحد) خلیقۃ۔مخلوق۔''قلب،،۔دل (جمع) قلوب ۔''مشوق،،اسم مفعول از شاق یشوق (ن) بمعنی شوق دلانا۔''قلب مشوق،،۔دلِ عاشق۔دلِ مشتاق۔''یروم،،صیغہ واحد مذکر غائب از رام یروم (ن) قصد کرنا۔ارادہ کرنا۔

☆☆☆

(۳) وَبِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِی بِكَ مُغْرَمٌ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّنِی أَهْوَاكَا

[ترجمہ] آپ کی قدر و منزلت کی قسم! میں آپ کا سچا عاشق ہوں اور اللہ بخوبی جانتا ہے کہ مجھے آپ سے سچی محبت ہے۔

[تشریح] اس شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت والفت کا اظہار فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ علوم وفنون کے بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ جانتے ہیں کہ الفتِ رسول ہی جانِ ایمان، اصلِ ایمان، حقیقتِ ایمان اور زندگی کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔ جو دل عشقِ رسول سے خالی ہو اس میں ہدایت کی شمع روشن نہیں ہوسکتی بلکہ وہ ایسا ویران جنگل ہے جس میں روشنی کا نام ونشان نہ ہو۔

اسی لئے صاحبِ قصیدہ نے اپنے سوزشِ عشق کا برملا اظہار فرمایا ہے اور اپنے دعویٰ محبت میں اس ذاتِ معظم کو گواہ بنایا جو رب العلمین ہے اور جس کے سامنے کائنات کا ذرّہ ذرّہ ہر وقت موجود ہے۔ اسی عشقِ حقیقی نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو عظمت ورفعت کے ایسے آسمان پر پہونچادیا جس کی بلندی کی پیمائش نہیں کی جاسکتی۔ آج اُن کے مقلدین آفاقِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چند کج رووں کے سوا ہر دل میں آپ کی عقیدت ہے اور ہر زبان آپ کا احترام کرتی ہے۔ اسی عشقِ حقیقی نے آپ کو بزمِ کائنات کی رونق بنادیا ہے۔ سیدنا سرکار اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

(حدائقِ بخشش)

محبت رسول جان ایمان ہے :

بلاشبہ اصلِ ایمان کا حصول اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک دل میں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا چراغ روشن نہ ہوجائے اور ایمان میں کمال اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب نہ ہوجائیں۔ اس دعوی کا مبنیٰ عقیدتِ محضہ نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ ہے جو کہ حدیثِ مبارک سے ثابت ہے۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لایومن احدکم حتّٰی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین "(السنن لابن ماجہ باب الایمان ص:۸، الصحیح لمسلم ج ا کتاب الایمان ص:۴۹۔ السنن للنسائی ج۲ص:۲۳۲، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

سوال پیدا ہوا کہ محبت ایک غیر اختیاری امر ہے۔ انسان امرِ غیر اختیاری کا مکلّف نہیں کیا جاتا۔ تو رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا مکلّف بنانا کیونکر درست ہوگا؟ حضرت امام یحیٰ بن شرف نووی علیہ الرحمہ نے شرحِ مسلم میں اس کا ان الفاظ میں جواب دیا

ہے:

” قال الامام ابو سلیمان الخطابی لم یرد به حب الطبع بل اراد به حب الاختیار لان حب الانسان نفسه طبع ولا سبیل الی قلبه فمعناه لا تصدق فی حبی حتی تفنی فی طاعتی نفسک و توثر رضائی علی هواک وان کان فیه هلاکک .وقال ابن بطال والقاضی عیاض رحمهما الله المحبةثلثةاقسام .محبة اجلال واعظام کمحبة الوالد. محبة شفقة و رحمة کمحبة الولد. محبة مشاکلة و استحسان کمحبة سائر الناس. فجمع ﷺ اصناف المحبةفی محبته(شرح مسلم للنووی ص۴۹)

ترجمہ:امام ابوسلیمان خطابی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محبتِ طبعی غیراختیاری مرادنہیں لیا بلکہ محبتِ عقلی اختیاری مرادلیا ہے۔کیونکہ انسان فطرتاً وطبعاً اپنی جان سے زیادہ محبت کرتا ہے اوراس کا اپنے دل پر قابونہیں ہوتا۔لہذا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم میری محبت میں اس وقت تک صادق نہیں ہوسکتے جب تک میری طاعت وفرما نبرداری میں اپنی زندگی فنا نہ کردو اور میری رضا وخوشنودی کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے دو ۔اگر چہ اس میں تمہاری ہلاکت ہی کیوں نہ واقع ہوجائے۔اورابن بطال وقاضی عیاض رحمھما اللہ نے فرمایا کہ محبت کی تین قسمیں ہیں (۱) محبتِ اجلال واعظام جیسے بچوں کا والدین سے محبت کرنا (۲) محبتِ شفقت و رحمت جیسے والدین کا اپنی اولاد سے محبت کرنا (۳) محبتِ مشاکلہ واستحسان جیسے لوگوں کا باہم محبت کرنا۔اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت

محبت کی تینوں قسموں کو جامع ہے۔

اعتراض:

قاضی عیاض علیہ الرحمہ کا یہ کہنا کہ ''رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت، محبت کی تینوں قسموں کو جامع ہے،، صحیح نہیں۔ کیوں کہ پہلی قسم میں محبوب محبّ سے رتبۂ بلند ہوتا ہے، دوسری قسم میں اس کا برعکس ہوتا ہے [یعنی محبّ محبوب سے رتبے میں بلند ہوتا ہے] اور تیسری قسم میں دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبتِ اِعظام تو ہوسکتی ہے لیکن محبتِ شفقت ومشاکلۃ نہیں ہوسکتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ محبوب یعنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ محبّ سے کم یا مساوی ہوجائے۔

جواب:

استاذِ گرامی سراج الفقہا، محققِ مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہ العالیہ نے آج سے تقریباً دو سال قبل جو جواب درسِ مسلم کے دورانِ عنایت فرمایا تھا وہ آج بھی میرے ذہن وفکر میں گردش کررہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک بچہ جتنی محبت اپنے والدین سے کرتا ہے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ کرے۔ والدین کو اپنے بچے جتنے پیارے ہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے زیادہ محبوب ہوں۔ لوگوں کو جس سے بھی محبت ہو اس سے زیادہ محبت رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کریں۔ یعنی وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ رسولِ اعظم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ان پر ان کے والد، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ کیونکہ آپ ہی کے صدقہ میں ہمیں دوزخ سے نجات اور راہ حق کی ہدایت نصیب ہوئی۔

محبت کی علامتیں:

اب محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامتیں بیان کی جارہی ہیں، تا کہ عاشقِ صادق ومدعیٔ کاذب کے مابین خطِّ امتیاز کھنچ جائے۔ کیونکہ بدعات ومحدَثات اور فتن و خرافات کے اِس دور میں ہر شخص اپنے عاشقِ رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ایک طرف تو طواغیتِ خمسہ (دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکابرین مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی قاسم احمد نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی مولوی اسماعیل دہلوی) کو سچا پکا عاشقِ رسول جان کر ان کی عباراتِ کفریہ کو عینِ توحید سمجھ کر ان کی نشرواشاعت میں سرگرداں رہتے ہیں تو دوسری طرف اپنے سچے عاشقِ رسول ہونے کا نگاڑا بجاتے پھرتے ہیں بقولِ شاعر

کل یدعی بوصل لیلیٰ ولیلیٰ لا تقر لھم بذاک

ترجمہ: ہر مجنوں وصالِ لیلیٰ کا مدعی ہے حالانکہ لیلیٰ کو اِس سے انکار ہے۔

اس لئے یہ علامتیں عوام الناس کے گوش گذار کردوں تا کہ وہ انھیں معیارِ عشق ومحبت قرار دیکر مدعیانِ عشق ومحبت کے صدق وکذب کو جان سکیں اور اپنے دلوں میں شمعِ محبتِ رسول روشن کر کے فلاحِ دارین سے ہم کنار ہوسکیں۔

(۱)رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کی اطاعت وپیروی کی جائے اور آپ کے احکام وفرامین پر عمل کیا جائے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران:۳۲)

ترجمہ:اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ لوگو! اللہ کی اطاعت کرواور اس کے رسول کی پیروی کرو۔

(۲) آپ کی مطلقاً پیروی کی جائے حکمت سمجھ میں آئے کہ نہ آئے۔

"عن عبد اللہ بن عمر أنّہ یدیر ناقتہ فی مکان فسئل فقال لا ادری الا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلہٗ ففعلتہ،،

ترجمہ:حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ اپنی اونٹنی کو گردش دیتے تھے۔ان سے اِس عمل کی حکمت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے علم نہیں مگر یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی ایسا کر لیتا ہوں۔(نسیم الریاض ج ۳ ص:۳۴۷)

(۳) محبت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کو اگر کوئی عدوٌ لعین معیوب بتائے تو کسی بھی صورت میں اسے برداشت نہ کیا جائے۔

"عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حبک الشئی یعمی و یصم" (السنن لابی داؤد ج ۲ ص:۳۴۴)

ترجمہ:حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

کسی شئی سے محبت تمھیں (اس کا عیب سننے سے) اندھا بہرا بنادیتی ہے۔
(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی نشانی یہ بھی ہے کہ آقائے نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بکثرت ذکر کیا جائے۔

"عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ من احب شیئا اکثر ذکرہ"

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر بھی خوب کرتا ہے۔
(کنز العمال ج۱ ص۴۲۵)

اسی لئے تو سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی فرماتے ہیں

کیجئے چرچا انھیں کا صبح وشام — جانِ کافر پر قیامت کیجئے

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولی کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

(۵) سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے حسن و جمال، صورت وسیرت، اوصاف وکمالات اور فضائل ومعجزات کے ذکر سے سماعت آراستہ ہو تو فرحت وشادمانی کا اظہار کرے۔

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
وہی پھول خار سے دور ہے وہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے — سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے یک نے یک بنایا (حدائق بخشش)

(۶) رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل کے وقت آپ کی تعظیم وتوقیر اور خشوع وخضوع کا اظہار کرنا بھی محبت کا اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی حقیقت کو بیان کر رہا ہے۔

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا. لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا﴾ (الفتح ۹۔۸)

ترجمہ: اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

(۷) محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبت کا دعوی کرنے والا جب آپکا اسمِ گرامی سنے تو آپ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں نذرانۂ عقیدت ومحبت یعنی درود وسلام کے گجرے پیش کرے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

"من الجفاء ان اذکر عند رجل فلا یصلی علیّ،، (رواہ الامام عبد الرزاق عن قتادۃ بحوالہ شرحِ مسلم للسعیدی ج ۱)

ترجمہ: یہ بے وفائی ہے کہ کسی شخص کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے] (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(۸) محبت کے دعوے دار کے لئے یہ بھی لازم وضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

جمالِ جہاں آرا کے دیدار اور آپ سے ملاقات کا شوق اور آرزو ہو۔ کیوں کہ ہر طالب و محبّ اپنے مطلوب و محبوب سے ملاقات اور اسکی زیارت کا متمنی ہوتا ہے۔ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال من اشد امتی حبّاناس یکونون بعدی یودّ احدکم لو رانی باھلہٖ و مالہٖ" (مسلم شریف ج۲ص:۳۷۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے میرے بعد ہوں گے ۔ان میں سے کوئی یہ آرزو کریگا کہ کاش وہ اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کے بدلے ہی میری زیارت کر لے۔

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ آپ کے صحابۂ کرام، اہل بیتِ عظام اور آپکے دیگر محبوبوں سے محبت کرے اور ان کی تعظیم و توقیر کرے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فی الانصار لا یحبھم الا مو من ولا یبغضھم الاّمنافق .من احبھم فاحبہ اللہ و من ابغضھم فابغضہ اللہ" (الجامع للترمذی ص:۵۵۳)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی شان یہ بیان فرمائی کہ ان سے

محبت وہی کرے گا جس کے دل میں ایمان ہوگا اوران سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا ۔جس نے ان سے محبت کی تو وہ اللہ کا محبوب ہے اور جس نے ان سے نفرت کی تو وہ اللہ کا مبغوض ہے]۔

(۱۰) محبت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں توہین و اِساءت کا ارتکاب کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھے۔کوئی کتنا ہی عزیز وقریب ہوا گر وہ گستاخ رسول ہوتو اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"لا تجد قوما یومنو ن باللہ والیوم الآخر یوادّون من حادّاللہ ورسولہ و لو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم" (مجادلہ.۲۲)

ترجمہ:اے محبوب! جولوگ اللہ پراور روزِ قیامت پرایمان رکھتے ہیں آپ ان کواللہ اوراس کے رسول کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا قریبی رشتہ دار ہوں۔

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محبتِ رسول کی علامتوں پر بہت عمدہ کلام فرمایا ہے۔آپ کی ضیافتِ طبع کے لئے اس کا ترجمہ پیش ہے۔فرماتے ہیں:

"جان لو! جوکسی شئی سے محبت کرتا ہے وہ اسے (ہر شیی پر) ترجیح دیتا اوراس کی موافقت کرتا ہے۔ورنہ وہ اپنی محبت میں صادق نہیں ہوگا ،اس کے پاس صرف دعویٰ ہوگا ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں صادق وہی ہے جس میں محبت کی علامتیں پائی

جائیں۔

محبتِ رسول کی علامتیں ذیل میں درج ہیں:

(۱) آپ کی اقتداء کرنا، سنت کی پیروی کرنا، آپ کے اقوال وافعال کی اتباع کرنا، آپ کے احکام کو بجالانا، آپ کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا، کشادگی وتنگ دستی اور خوشی وناراضگی ہر حال میں آپ کے اخلاق سے آراستہ رہنا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاہد ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرمایئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو! اللہ تم سے محبت فرمائیگا۔

(۲) حضور نے جس امر کا حکم دیا اور جس کی ترغیب دی اسے اپنی خواہشِ نفس پر ترجیح دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (حشر:۹)

ترجمہ: اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

(۳) رضائے الٰہی کے لئے لوگوں کو ناراض کرنا۔ چنانچہ حضرت سعید بن مسیّب روایت

کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھ سے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے پیارے بیٹے! اگر تم سے یہ ہو سکے کہ صبح و شام تمہارے دل میں کسی کے لئے (اپنے نفس کی خاطر) بغض نہ ہو تو اس صفت سے متصف ہو جاؤ۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں: اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت کو زندہ رکھا وہی مجھ سے محبت کرنے والا ہے اور جو مجھ سے محبت کرنے والا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ رہیگا۔

جو اِن صفات سے متصف ہو وہی اللہ و رسول سے محبت کرنے میں کامل ہے اور جو بعض امور میں ان کی خلاف ورزی کرے تو اس کی محبت ناقص ہے لیکن پھر بھی اسے حضور کا عاشق کہا جائیگا (اگر چہ اسے محبت میں کامل نہیں کہا جائیگا) اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کو شراب پینے کے جرم میں سزا دی گئی۔ کسی صحابی نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا: اسے کتنی بار سزا کے لئے لایا جائیگا! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس پر لعنت مت بھیجو! کیوں کہ یہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے۔

(۴) حضور کا کثرت سے ذکر کرنا بھی محبت کی علامتوں میں سے ہے۔ کیوں کہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا اشتیاق و شوق بھی محبت کی علامت ہے۔ کیوں کہ ہر حبیب اپنے محبوب سے ملاقات کا خواہاں رہتا ہے۔ اشعریین کی حدیث میں ہے کہ جب وہ لوگ مدینہ تشریف لائے تو یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"غداً نلق الاحبة. محمداً و صحبه،،

ترجمہ: کل ہم اپنے محبوبوں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کی سعادت حاصل کریں گے۔

(۶) کثرت کے ساتھ حضور کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ جب بھی آپ کا ذکر آئے تو تعظیم و توقیر کا مظاہرہ کرے اور نامِ اقدس سنتے ہی خشوع و خضوع کا اظہار کرے۔ کیوں کہ یہ بھی محبت کی علامت ہے۔ اسحٰق تجیبی نے کہا: حضور کے وصال کے بعد صحابۂ کرام جب بھی آپ کا ذکر کرتے تو ان میں خشیت پیدا ہو جاتی اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور کثرت کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگتے۔ یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔ کچھ تو محبت و شوق میں ایسا کرتے اور کچھ خوف و دہشت اور تعظیم و توقیر میں ایسا کرتے۔

(۷) حضور کے محبوبوں یعنی اہلِ بیتِ کرام اور صحابۂ مہاجرین و انصار وغیرہم سے محبت کرنا اور ان حضرات کے دشمنوں اور ان سے بغض و نفرت رکھنے والوں سے عداوت رکھنا بھی حضور سے محبت کی علامت و نشانی ہے۔ کیوں کہ جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محبوبوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا: "اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما! ایک روایت میں صرف حضرت حسن کا ذکر ہے" اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس سے محبت کرنے والے سے محبت فرما،، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "جس نے اِن دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی

اور جس نے ان دونوں سے نفرت کی اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے دشمنی مول لی،، آپ نے یہ بھی فرمایا: ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا! میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے ہی کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ جس نے ان سے نفرت کی تو اس نے مجھ سے نفرت کرنے ہی کی وجہ سے ان سے نفرت کی۔ جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو اذیت پہونچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہونچائی تو عن قریب اللہ اسے اپنی گرفت میں لیگا،، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے بارے میں فرمایا: ''یہ میرے (جگر کا) ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناراض کریگی وہ مجھے بھی غضب ناک کریگی،، اور حضرت اسامہ بن زید کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا: ''اس سے محبت رکھو! کیوں کہ میں اسے چاہتا ہوں،، اور آپ نے یہ بھی فرمایا: ''انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی پہچان ہے،، اور حضرت عبداللہ ابن عمر والی حدیث میں ہے ''جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کے سبب ہی ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی اس نے ان سے بغض رکھا،، حقیقت یہی ہے کہ جو جس سے محبت کریگا وہ اس سے محبت کرنے والی ہر شئی سے محبت کریگا۔

(۸) محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ و رسول سے بغض و عداوت رکھنے والوں سے بغض و عداوت رکھے، سنت کی مخالفت کرنے والوں اور دین میں نئی چیز ایجاد کرنے والوں سے دور

رہے اور خلافِ شرع ہر کام کو اپنے اوپر گراں جانے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ﴾

ترجمہ: آپ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والی کسی قوم کو نہ پائیں گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے محبت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ کی رضا کے لئے اپنے دوست و احباب کو قتل کیا اور اپنے باپ اور بیٹوں سے جنگ کی۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابیّ نے حضور سے عرض کیا: اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے (منافق) باپ کا سر قلم کرکے آپ کی بارگاہ میں پیش کردوں۔

(۹) محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس قرآن کو محبوب رکھے جسے حضور لائے اور جس کے سبب آپ نے ہدایت دی اور آپ جس کے اخلاق سے آراستہ رہے، حتّٰی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے اخلاقِ کریمہ کے بارے میں فرمایا: ''حضور کا اخلاق اور آپ کی سیرت قرآن ہی تو تھا،، قرآن سے محبت یہ ہے کہ اس کی تلاوت کرے، اس کے احکام پر عمل کرے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے متعین کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا: ''اللہ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے۔ حبِّ قرآن کی نشانی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے الفت رکھنا ہے۔ حبِّ نبی کی پہچان سنّت کو اپنانا ہے۔ سنّت کو اپنانا یہ ہے کہ آخرت سے محبت رکھی جائے۔ حبِّ آخرت کی

علامت بغضِ دنیا ہے اور بغض دنیا کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے اسی قدر لیا جائے جو آخرت کے لئے کافی ہو،، اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا: ''ہر شخص اپنے نفس سے صرف قرآن سے محبت کا سوال کرے، کیوں کہ اگر وہ قرآن سے محبت کرنے والا ہے تو اللہ و رسول سے بھی محبت کرنے والا ہے،،

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفیق و مہربان ہونا، اس کا خیر خواہ اور اس کو فائدہ پہونچانے اور اس کو نقصان دہ چیزوں سے بچانے کی کوشش کرنا بھی آپ سے محبت کی علامت و پہچان ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں پر رؤوف و رحیم تھے ۔

(الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص: ۲۴ تا ۲۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چوں کہ ایمان کا جزءِ لازم ہے اس لئے گفتگو کافی دراز ہوگئی، لیکن انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگی۔ قارئینِ کرام انہیں مشعلِ راہ بنائیں، لبادۂ عشق و محبت اوڑھے ہوئے ایمان کے لٹیروں سے محفوظ و مامون رہیں اور اپنے اہل و عیال و دوست و احباب کو ان کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بچائیں. رزقنا اللہ تعالیٰ حبہ العمیق و وِداده الخالص و جعلهٗ سببَ نجاتنا فی الیوم الشدید.

[حلُّ لغات] ''جاہ،،۔ قدر۔ شرف۔ بلندی مرتبہ۔ ''مغرم،،۔ اسم مفعول از اغرام بمعنیٰ دلدادہ۔ عاشق۔ کہا جاتا ہے'' أُغرِمَ بالشئی ،، یعنی وہ بہت خواہش مند ہوگیا۔ ''یعلم،،۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب از علم یعلم (س) جاننا۔ ''اھویٰ،،۔ صیغۂ متکلم۔: از ھوی یھویٰ (س) چاہنا۔ محبت کرنا۔

(۴) اَنتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَاخُلِقَ امْرأٌ
کَلَّاوَلَاخُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا

[ترجمہ] یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ ہی وہ حبیبِ خدا ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز نہ کوئی انسان پیدا کیا جاتا اور نہ ہی مخلوق پیدا کی جاتی۔

[تشریح] سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجہِ تخلیق کائنات ہیں۔ زمین و آسمان، حور و ملک، شجر و حجر، برگ و ثمر، بحر و بر اور کائنات کا ذرّہ ذرہ آپکے وسیلے اور صدقے میں آپ ہی کے نورِ اقدس سے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ اگر آپ نہ ہوتے تو رب تعالیٰ اپنی ربوبیت و خالقیت کا بھی اظہار و اعلان نہ فرماتا۔ حضرتِ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں اسی عقیدے کو منظوم فرمایا ہے۔ اسی عقیدے کی ترجمانی کرتے ہوئے امامِ عشق و محبت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اور یہ بندۂ سیاہ کار عرض کرتا ہے:

زیرِ احسان آپ کے ہر غائب و مشہود ہے
آپ کا صدقہ ہے جو بھی خشک و تر موجود ہے

آپ نا ہوتے نہ ہوتا حق تعالیٰ کا ظہور
آپ نے بتلایا کہ اللہ ہی معبود ہے

مسلکِ حق اہل سنت و جماعت کا مذہب مہذب یہی ہے ۔ بزرگانِ سلف و خلف کا اسی پر اعتماد ہے اور احادیثِ کثیرہ، عبارات فقہا اور اقوالِ علما اسی پر دالّ (دلالت کررہے) ہیں ۔اس عقیدہ کو شرک و بدعت، اصول شریعت اور شانِ ربوبیت کے خلاف وہی سفہائے کور باطن سمجھتے ہیں جنہیں نہ ہی عظمتِ مصطفےٰ معلوم ہے اور نہ ہی اصولِ شریعت و شانِ مصطفےٰ سے واقف ہیں ۔شرک اور بدعت ،موضوع اور ضعیف جیسے چند کلمات رٹ کر اپنے آپ کو امام المحد ثین سمجھتے ہیں ۔ جب بھی کوئی عبارت یا حدیث عظمتِ مصطفےٰ اور شانِ مجتبیٰ پر دلالت کرتی نظر آتی ہے تو انہیں کلماتِ محفوظہ کا وِرد جاری کر دیتے ہیں ۔ یہ لوگ ہٹ دھرمی کٹ حجتی اور بغض وعناد کے خوگر ہیں ،ہم ان سے کچھ نہیں کہنا چاہتے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ﴿ ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ ﴾ البتہ عوام کی تسلی کیلئے چند دلائل پیش ہیں ۔

نبی ﷺ کے اوّل الخلق اور وجہِ تخلیقِ خلق ہونے پر دلائل:

حدیثِ نوری سے ثابت ہے کہ نورِ محمدی کی تخلیق اس وقت ہو چکی تھی جبکہ وقت کی اکائیوں کا نام ونشان بھی نہ تھا، عالمِ خارج کا کوئی وجود نہ تھا اور عالمِ رنگ و بو اور کائنات ہست و بود کو ابھی زیورِ تخلیق سے آراستہ نہیں کیا گیا تھا۔ خالق نے جب چاہا کہ کوئی اس کے حسنِ ازلی سرمدی کا مظہر و عکاس بنے تو اس نے نورِ محمدی کو پیدا فرمایا اور اسی نور سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔

احادیث وسیر کی جتنی کتابوں میں حدیثِ نوری موجود ہے سب کا مصدر و مرجع

مصنفِ عبدالرزاق ہی ہے۔اس لئے ہم سب سے پہلے حضرتِ امامِ عبدالرزاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پایۂ ثقاہت بیان کرتے ہیں کہ آپ کی شانِ عدالت وثقاہت کے بارے میں ائمۂ حدیث کی آراء کیا ہیں اور وہ آپ پر کتنا اعتماد کرتے ہیں۔حضرت امام عبدالرزاق فنِّ حدیث اور روایتِ حدیث میں اس قدر بلند مرتبہ پر فائز ہیں کہ امام احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں:

"قلت لاحمد ابن حنبل أرأيت احدًا احسن حديثا من عبد الرزاق قال لا"

ترجمہ: میں نے (حضرت امام) احمد بن حنبل سے پوچھا کہ کیا حدیث میں عبد الرزاق سے بڑھکر آپنے کسی کو دیکھا ہے؟ فرمایا: نہیں۔(تہذیب التھذیب ۶:۲۷۹)

اس کے بعد امامِ موصوف فرماتے ہیں:

"حديث عبدالرزاق عن معمر احب الیّ من حديث هٰولاء البصر يين"

ترجمہ: عبدالرزاق کا معمر سے حدیث بیان کرنا مجھے ان تمام بصریوں سے زیادہ محبوب ہے۔

آپکی رفعت وعظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ جلیل القدر امام حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور امام بخاری امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دادا استاذ ہیں۔ایسے عظیم محدث ہیں کہ حضرت امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی عظمتوں کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا ہے:

"ثقة حافظ مصنف شهير"

ترجمہ: آپ ثقہ، حافظ اور مشہور محدث ہیں۔(تقریب التھذیب ۱:۵۰۵)

اب جبکہ امامِ عبدالرزاق کی عظمت دل میں بیٹھ گئی تو حدیثِ نوری کی تلاوت کریں اور جھومیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قلت: یا رسول اللہ بابی انت و امی! اخبرنی عن اول شئی خلقه اللہ تعالی قبل الاشیاء . قال:یا جابر! ان اللہ تعالی قد خلق قبل الاشیا ء نور نبیک من نورہ فجعل ذ لک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالی و لم یکن فی ذٰلک الوقت لوح و لا قلم ولا جنة و لا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انسی فلما اراد اللہ تعالی ان یخلق الخلق قسم ذٰلک النور اربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعة اجزاء فخلق من الاول حملة العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملئکة ثم قسم الجزء الرابع اربعة اجزاء فخلق من الاول السموات ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنة و النار......

ترجمہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان! بتائیں کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالی نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور مشیتِ ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتے تھے نہ آسمان وزمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے

اور نہ انسان۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کو چار اجزاء میں منقسم فرمایا۔ پہلے جز سے قلم، دوسرے جز سے لوح اور تیسرے جز سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے جز کے چار ٹکڑے کئے۔ پہلے سے حاملینِ عرش، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے مابقیہ فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے جز کے چار ٹکڑے کئے۔ پہلے جز سے آسمانوں کو، دوسرے جز سے زمینوں کو اور تیسرے جز سے جنت و دوزخ کو پیدا فرمایا......الخ

حضرتِ امام عبدالرزاق رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ حدیثِ نوری کو مندرجہ ذیل اعلامِ عظام نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ فہرست ملاحظہ فرمائیں! امام قسطلانی نے" المواھب اللدنیة ج ا ص :۴۶،، میں۔ حضرت امام زُرقانی نے" شرح المواھب اللدنیہ،، میں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے" مدارج النبوۃ ج ا ص : ا،، میں۔ حضرت امام عجلونی نے" کشف الخفاء ج ا ص ۳۱۱،، میں۔ حضرت امام کاشفی ہروی نے" معارج النبوۃ ج ا ص ۳۴۹،، میں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے الملفوظ حصۃ ا ص :۵۷،، میں۔ امام عبدالغنی نابلسی نے" الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة،، میں اور حضرت امام محمد مہدی الفاسی نے" مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات،، میں درج فرمایا ہے۔

وہابیوں کا فریب:

میں نے آغازِ گفتگو میں عرض کیا تھا کہ جس قدر مشائخ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے ان سب کا مرجع و مصدر مصنفِ عبدالرزاق ہی ہے۔ لیکن مصنفِ عبدالرزاق کے جو نسخے ہندو

پاک اور بیش تر عرب ممالک میں موجود اور شائع وذائع ہیں انہیں از ابتداء تا انتہا پڑھ ڈالئے یہ حدیثِ نوری کہیں بھی نظر نہ آئیگی۔ اسی لئے لبنان کے بعض علماء شافعیہ اور ساری دنیا کے غیر مقلدین پھران کے دامِ فریب میں آکر کچھ حنفی حضرات بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا کہیں سے ثبوت نہیں ہے۔ یہ حدیث بالکل موضوع اور گڑھی ہوئی ہے۔ یہ فرقۂ وہابیہ تو سینہ ٹھونک کر کہتا ہے کہ یہ حدیثِ نوری کوئی مائی کا لال مصنف عبدالرزاق میں دکھا نہیں سکتا۔ لہذ اسنیوں کے عقائد کی بنیاد احادیثِ موضوعہ پر ہے۔ وغیرھا من الھذیا نا ت ۔

ظاہر سی بات ہے کہ مندرجہ بالا ثقہ محدثینِ عظام نے مصنفِ عبدالرزاق کے حوالے سے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ اگر اُن حضرات نے مصنفِ عبدالرزاق میں اسے پڑھا نہ ہوتا تو ہرگز اسکی تخریج نہ فرماتے۔ ان حضرات کی طرف سے مصنف کا حوالہ پیش کیا جانا ہی اسمیں اس حدیث کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ غلطی ایک سے تو ہوسکتی ہے لیکن اتنے نفوسِ قدسیہ سے خطا سرزد ہوجائے عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔

اب لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف سے یہ حدیث غائب کیسے ہوگئ؟ ایک زمانے تک اربابِ علم و دانش اس کے جواب کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہے اور طرح طرح کے جوابات دیتے رہے۔ لیکن اب حقیقت نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا ہے، مخالفین کی علمی خیانت اور ادبی دہشت گردی طشت از بام ہوچکی ہے اور دنیا اس سوال کے صحیح جواب سے واقف ہوچکی ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ یہ کتاب پہلے غیر مطبوعہ تھی۔ غیر مقلد عالم حبیب الرحمٰن اعظمی مَوءِی نے بیروت جاکر سب سے پہلے اسکی اشاعت کروائی۔ اِس دشمنِ

رسول نے اپنی خباثتِ باطنی کے سبب نہ صرف یہ کہ حدیثِ نوری کے ساتھ دس بابوں کو نکال دیا بلکہ بدترین خیانت کرتے ہوئے قوسین کے درمیان اپنے عقائدِ باطلہ خبیثہ کو ثابت کرنے کے لئے حواشی لگائے۔ ساتھ ہی ساتھ اسناد میں الٹ پھیر کرنے کا کارنامہ بھی انجام دیدیا تاکہ عالمِ اسلام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد احادیثِ ضعیفہ یا موضوعہ سے ماخوذ ہیں اور ہم اہلِ حدیث غیر مقلدین کے عقائد احادیثِ صحیحہ سے ثابت و مؤید ہیں۔

اس خائن کی یہ خیانت اس وقت طشت از بام ہوئی جبکہ یو۔اے۔ای۔ کے وزیرِ اوقاف محققِ عصر اور عظیم محدث حضرت شیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع حمیری نے تحقیق و جستجو کر کے مصنفِ عبدالرزاق کا ایک قلمی نسخہ حاصل کر لیا۔ جسے انہوں نے چند سالوں پیشتر "**الجزأ المفقود من الجزأ الاول من المصنف للحافظ الكبير ابى بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانى**"، کے نام سے شائع کرایا۔ یہ نسخہ اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ اس میں تقریظ، تقدیم اور تعارفِ مصنف کے بعد کتاب الایمان کے تحت کل دس ابواب مرتب کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شامل ہیں۔ وہ دس ابواب یہ ہیں (۱) باب فی تخلیقِ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [اسی باب کے تحت حدیثِ نوری کو ذکر کیا گیا ہے] (۲) باب فی الوضوء (۳) باب فی التسمیۃ فی الوضوء (۴) باب اذا فرغ من الوضوء (۵) باب فی کیفیۃ الوضوء (۶) باب فی غسل اللحیۃ فی الوضوء (۷) باب فی تخلیل اللحیۃ فی الوضوء (۸) باب فی مسح الرأس فی الوضوء (۹) باب فی کیفیۃ المسح (۱۰) باب فی مسح الأذنین۔ اس نسخہ میں

فہرست کے ساتھ صفحات کی تعداد ۱۰۵ ہے۔ مرتب نے اپنی تحقیق میں حدیثِ نوری پر وارد کئے گئے تمام اعتراض کے پرخچے اڑا دئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ " نور البدایات و ختم النھایات ،، کے نام سے تقریباً ۱۵۰ صفحات پر محیط ایک زبردست مقالہ بھی تحریر فرمایا ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلیّت اور نورانیّت پر انتہائی قیمتی اور مفید بحثیں کی ہیں۔ یہ کتاب لائقِ مطالعہ اور قابلِ استفادہ ہے۔ اس فقیر کے پاس دونوں نسخے موجود ہیں اور فقیر نے انکا ترجمہ بھی کر دیا ہے جو کہ اشاعت کے لئے کسی اہلِ خیر کا منتظر ہے۔ لہٰذا ان فریبیوں کے فریب میں آ کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حدیثِ نوری مصنف عبدالرزاق میں موجود نہیں ہے۔

جلیل القدر محدث وامام ابوالفرج جمال الدین المعروف بامام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کے اول الخلق ہونے کے متعلق ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق جمیع الکائنات"

ترجمہ: یعنی اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور پھر میرے نور سے جمیع کائنات کو پیدا فرمایا۔ (ابن جوزی میلاد النبی ص:۲۲)

وہابیوں کا اعتراض اور اسکا جواب:

ہوسکتا ہے کہ وہابیت ونجدیت کا جامِ لبالب پینے والے ہمارے اس عقیدے پر ضرب لگانے کیلئے وہ حدیث پیش کریں جو قلم کے اول الخلق ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسے حضرت امام

ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اول ما خلق اللہ القلم فقال: اکتب قال: ما اکتب؟ فقال: اکتب القدر ما کان و ما ھو کائن الیٰ الابد" (الجامع للترمذی ج۲ ص۳۸)

ترجمہ: اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس سے فرمایا: لکھ! اس نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔

جب اس حدیث سے قلم کا اوّل الخلق ہونا ثابت تو پھر نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اوّل الخلق ہونا غیر ثابت۔ کیونکہ اوّلیت تو ایک ہی کو حاصل ہوگی۔

جواب:

کہنے والوں نے سچ کہا ہے کہ "خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے"، اہلِ ضلالت و خباثت کی بارگاہ میں دلیرانہ عرض ہے کہ حضرت جی! بعینہ یہی حدیث ہمارے موقف پر دلالت کر رہی ہے۔ ذرا اس حدیث کے الفاظ میں غور کریں! اللہ تبارک تعالیٰ نے قلم سے فرمایا "**اکتب ما کان و ما ھو کائن**"، اس سے پتہ چلا قلم سے پہلے بھی کسی چیز کی تخلیق ہو چکی تھی جسکے احوال لکھنے کا حکم قلم کو دیا گیا تھا اور وہ شی نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ چنانچہ حضرت نور الدین علی بن سلطان محمد ہروی حنفی مرقاۃ المفاتیح میں یوں رقم طراز ہیں:

" فالاوّلیة اضافیة .الاوّل الحقیقی ھوالنور المحمدی ﷺ "

ترجمہ:قلم کی اوّلیت اضافی ہے۔حقیقی اوّلیت تو نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے(مرقاۃ ج ا ص ۱۳۹)

لہذا قلم کی اوّلیت نورِ محمدی کے بعد تمام اشیاء پر ہے۔نور محمدی کی اوّلیت سے اسکا کوئی تعارض نہیں۔اسی طرح عرش ،عقل، پانی کی اولیت کے متعلق جو اقوال یا احادیث ہیں ان سب کو اضافی اوّلیت پر محمول کیا جائیگا۔یعنی ان سب کی اوّلیت مختلف اجناس کے لحاظ سے ہے اور جب لحاظ و اعتبار بدل گیا تو ہر ایک کی اولیت اپنے اپنے لحاظ سے قائم رہی۔

اور اگر بالفرض حدیثِ نوری کو صحیح نہ مانا جائے تب بھی ہمارے عقیدے پر ضرب نہیں پڑتی کیوں کہ آیتِ کریمہ:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾

ترجمہ:اے محبوب!ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

بھی رسول پاک کے اول الخلق ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بتایا ہے۔اور عالم ماسوا اللہ کو کہتے ہیں ۔تو یہ بات روشن ہوگئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا استثناء عالمِ خلق کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت ہیں۔وجود ایک نعمت ہے اور ہر نعمت رحمت۔اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمین کے لئے رحمت ہیں۔لہذا مرتبۂ ایجاد میں تمام عالم کا موجود ہونا بواسطۂ وجودِ سیّد المرسلین ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصلِ ایجاد ہیں آپ کے بغیر کوئی فردِ ممکن موجود نہیں ہوسکتا۔

اب چوں کہ تمام عالمین اپنے وجود میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محتاج ہیں اور آپ محتاج الیہ۔محتاج الیہ وجود میں محتاج پر مقدم ہوتا ہے۔لہذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول الخلق ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے نور کے فیضان سے پیدا فرمایا اور پھر ساری کائنات کو آپ کے نور سے وجود بخشا۔اس کے علاوہ متعدد آیتیں ہیں جو دلالۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول الخلق ہونے پر دلالت کررہی ہیں.لٰکن لم اذکرھا خوفاً للتطویل.

اب میں گفتگو کے اس باب کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر پر بند کررہا ہوں۔ شعر

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

[حلِّ لغات] ”لولا،،:حرفِ تخضیض وتندیم ہے۔غیر عامل ہے۔لو اور لا سے مرکب ہے۔لو حرفِ شرط ہے۔جزا کے منتفی ہونے کے سبب شرط کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔جب اس کے بعد لا آیا تو شرط کی نفی کی نفی ہوگئی جسکا واضح مطلب یہ ہے کہ شرط موجود ہے۔اب ”لولا،،کا معنیٰ یہ ہوا کہ دوسرے جملے کا مضمون منتفی ہے کیونکہ پہلے جملے کا مضمون موجود ہے۔شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اگر رسول اللہ نہ ہوتے تو مخلوق پیدا نہ کی جاتی،لیکن خلق پیدا کی گئی تو ثابت ہوا کہ حضور آج بھی زندہ ہیں۔”کلا،،:حرف ردع ہے۔تنبیہ اور زجر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔”ماخلق،،:۔ماضی منفی مجہول از خلق یخلق (ن) بمعنیٰ پیدا کرنا۔

(۵) اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسیٰ
وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَھَاکَا

[ترجمہ] آپ ہی وہ (حبیبِ کبریا) ہیں جن کے نور سے چودھویں کے چاند نے حسن و جمال اور نور کا لباس پہنا ہے اور آفتاب آپ ہی کے نورِ حسن سے روشن وتابناک ہے۔

[تشریح] ربِّ ذوالجلال نے اپنے محبوب فخرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا فرمایا کہ جس طرح زبان اسکے اظہار و بیان سے قاصر ہے اسی طرح اقلام اسکی منظر کشی سے عاجز ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے نے رخِ زیبائے مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حسن و جمال کی بھیک مانگی ہے۔ کونین کا جمال وکمال چہرۂ مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک جھلک ہے۔

صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کا رخِ انور دیکھ کر پکار اٹھے:

و احسن منک لم تر قط عینی　　واجمل منک لم تلد النسآء
خلقت مبرأ من کل عیب　　کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے زیادہ حسین وجمیل میری آنکھ نے دیکھا ہی نہیں اور عورتوں نے آپ سے زیادہ جمیل بچہ جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب سے منزہ پیدا کیے گئے۔ گویا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیے گئے ہیں۔

حسان الہند حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حسنِ بے مثال کے شیدائی ہیں۔ یوں ثناخوانی کرتے ہیں۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کبھی یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لم یات نظیرك فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اور جب گوشۂ فکر میں روئے منور چمکا تو بے ساختہ پکار اٹھے۔

خامہ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

جمالِ مصطفائی :

آپکو اللہ رب العزت نے حسنِ کل عطا فرمایا ہے۔ حضرتِ یوسف علیہ الصلوۃ والسلام اور ساری کائنات کا حسن آپکے حسن کی ایک جھلک ہے۔ جس نے بھی آپ کو دیکھا محوِ حیرت ہو کر شمس و قمر کی تابانیوں کو بھول گیا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

چاندنی رات تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرخ حلّہ اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو " فاذاهو احسن عندی من القمر ،، بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ حضور چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں (مشکوۃ المصابیح ص:۵۱۸)۔

انہیں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح چمکیلا تھا؟ تو فرمایا:

"لا، بل کان مثل الشمس والقمر" (مشکوۃ المصابیح ص:۵۱۵)

ترجمہ: نہیں بلکہ آپکا چہرۂ مبارک تو آفتاب وماہتاب کی طرح روشن تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کا ن رسول اللہ ﷺ احسن الناس وجھا و انورھم لونا لم یصفه واصف قط الا شبه وجهه بالقمر لیلة البدر وکان عرقه فی وجهه مثل اللؤ لؤ" (المواھب اللدنیہ للقسطلانی ج۴ ص:۲۲۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ سب سے حسین اور آپکا رنگ سب سے منور تھا۔ جس نے بھی آپکی تعریف کی تو آپ کے چہرۂ مبارک کو چودہویں کے چاند سے تشبیہ دی اور آپ کے چہرہ پر پسینہ کی بوندیں مثل موتیوں کے معلوم ہوتی تھیں۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کان رسول اللہ ﷺ اذا سر استنار وجهه حتی کانه قطعة من القمر"

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے تھے تو آپکا چہرۂ مبارک اس طرح روشن ہوتا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ (الصحیح للبخاری ج۱ ص:۵۰۲)

صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخِ انور کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔

لولم یکن فیہ آیات مبینة　　کانت بدیهته تنبیک بالخبر

ترجمہ: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مبارک میں وحی الٰہی، معجزات اور دیگر دلائل نبوت نہ بھی ہوتے تو بھی اے مخاطب ان کا رخِ روشن ہی دلیلِ نبوت کیلئے کافی ہوتا۔ (المواھب اللدنیہ للقسطلانی ج۴ص:۲۰۷والمدیح النبوی ص:۳۶)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے محض تقریبِ فہم کیلئے شمس وقمر کے نور اوران کے حسن و جمال سے آپ کے نور اور حسن و جمال کو تشبیہ دی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے حسن و جمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔آفتاب وماہتاب کی چمک دمک حسن و جمال اور خوبی وکمال سب پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا صدقہ ہے۔ آپ ہی کے نور کا پرتو ہے۔حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مہِ کامل نے آپ ہی کے نور سے لباسِ نوری پہن رکھا ہے اور آفتاب آپ ہی کے چہرۂ جمال سے روشن وتابناک ہے۔شمس وقمر کے نور پر نور کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے نہ کہ حقیقتۃً۔

یہ جو مہرو ماہ پہ اطلاق آتا نور کا　　بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

(حدائق بخشش)

[حلِّ لغات] "نور"۔ روشنی اور بقولِ بعض نور اس کیفیت کا نام ہے جسکو قوّتِ باصرہ اولاً ادراک کرتی ہے پھر اسی کے واسطے سے مبصَرات کا ادراک کرتی ہے۔(جمع) انوار

ونیران۔"بدر"۔ماہ کامل۔چودھویں رات کا چاند(جمع)بدور۔"اکتسٰی"فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب از اکتساء معنی ہے کپڑے پہننا۔لباس پہننا۔"شمس"۔آفتاب۔سورج(جمع)شموس۔"بہا"۔اصل میں بہاء تھا ہمزہ کو ضرورتِ شعری کیوجہ سے حذف کردیا۔یہ مصدر ہے نصر، سمع، کرم کے ابواب سے۔حسین وخوبصورت ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۶)اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّارُفِعْتَ الیٰ السَّماء
بِکَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَیَّنَتْ لِسَرَاکَا
(۷) أنْتَ الّذِیْ نَا دَاکَ رَبُّکَ مَرْحَبَاً
وَلَقَدْ دَعَاکَ لِقُرْبِہٖ وَحَبَاکَا

[ترجمہ] آپ ہی وہ (حبیبِ یزداں) ہیں کہ جب آپ کو (شبِ معراج) آسمان پر بلند کیا گیا تو آپ ہی کے صدقے میں اسے بلندی اور آپ ہی کی سیاحت کے طفیل اسے زینت حاصل ہوئی۔

آپ ہی وہ (محبوب) ہیں جن کو رب تعالیٰ نے "مرحبا" کہہ کر پکارا اور اپنے قریب بلا کر بے حساب نعمتوں سے نوازا۔

[تشریح] حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب

شبِ معراج آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو اس مبارک و مسعود سفر کی برکت سے انہیں رفعت و بلندی اور زینت و خوبصورتی حاصل ہوگئی اور اس شبِ اسری آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیدارِ الٰہی کا وہ کمال حاصل ہوا جو مخلوق کی عقلوں سے ماوراء ہے،۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت کا وہ قرب حاصل ہوا جسے قلم وزبان بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ربِّ کائنات نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی خوبیوں سے نوازا جو تمام خوبیوں اور کمالات سے بڑھ کر ہیں۔

اس مبارک سفر میں آپ جنت و دوزخ، عرش و کرسی، لوح و قلم اور تمام آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے وہاں پہونچ گئے جہاں تک سید الملائکہ جبریل امیں بھی نہیں پہونچ سکے اور پھر آپ نے ماتھے کی نگاہوں سے اس حسنِ ازلی کا دیدار کیا جس کی ایک جھلک کیلئے انبیاء و مرسلین، اولیائے مکرمین اور ملائکہ مقربین بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ترستا رہا لیکن ربِّ کائنات کو یہ منظور نہ ہوا کہ محبوب کے سوا کوئی اور اس دنیا کی فانی نگاہوں سے اسکے حسنِ ازلی کا دیدار کرسکے۔

سفرِ معراج:

سفرِ معراج حق ہے نفسِ معراج پر آیتِ مبارکہ "سبحان الذی اسریٰ الـــخ" دلالت کررہی ہے اور آسمان تک کا سفر احادیثِ کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے اور مافوق السماء کا سفر اخبارِ آحاد کی دلالت سے واضح ہے۔ نفسِ معراج کا منکر کافر ہے اور مذکورہ تفصیل کے مطابق معراج کا انکار کرنے والا بدعتی ضالّ و مضلّ ہے۔ حضرت علامہ تفتازانی

رحمتہ اللہ علیہ شرح العقائد میں فرماتے ہیں:

"وھو من المسجدالحرام الی بیت المقدس قطعی ثبت با لکتا ب والمعراج من الارض الی السماء مشھور ومن السماء الی الجنة اوالیٰ العرش او غیر ذالک آحاد،، (شرح العقائد للنسفی ص:۱۰۵)

ترجمہ: بیت الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا قرآنِ مقدس سے ثابت ہے اور زمین سے آسمان تک کی سیر پر احادیثِ مشہورہ دلالت کررہی ہیں اور آسمان سے جنت تک یا عرش تک یا اس سے بھی آگے جانا اخبارِ آحاد سے ثابت ہے۔

دیدارِ الٰہی:

شبِ معراج دیدارِ الٰہی کے تعلق سے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سفر معراج کی طویل حدیث روایت کی ہے جس میں ہے:

" حتی جاء سدرةالمنتھی ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنیٰ " (الصحیح للبخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۲۰)

ترجمہ: حتی کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتھی پر آئے اور جبارِ رب العزت آپ سے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا حتی کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

(۲) حضرت امام مسلم روایت کرتے ہیں:

" عن عبداللہ بن شفیق قال :قلت لابی ذر: لو رأیت رسول اللہ ﷺ لسئلته فقال عن ای شئی؟ قال: کنت اسئله هل رأیت ربک؟ قال ابو ذر: سئلت فقال: رأیت نورا،، (الصحیح لمسلم ج ا ص:۹۹)

ترجمہ: عبداللہ بن شفیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتا تو ضرور پوچھتا۔ انہوں نے کہا کہ کیا پوچھتے میں نے کہا کہ میں یہ پوچھتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا تو ابوذر نے کہا کہ میں نے یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ نور ہی نور تھا۔

(۳) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

" عن عکرمة عن ابن عباس قال رسول اللہ ﷺ رأیت ربی تبارک وتعالی " (مسند الامام احمد بن حنبل ج ا ص ۲۹۰)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کا دیدار کیا۔

(۴) حضرت قاضی عیاض فرماتے ہیں:

" ذکر ابن اسحاق ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس رضی اللہ عنهما یسئله هل رایٰ محمد ربه فقال نعم " (الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص:۳۸۶)

ترجمہ: ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس کے پاس یہ سوال کرنے کے لئے ایک آدمی بھیجا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ انہوں نے جواب دیا، ہاں۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"أنا اقول بحديث ابن عباس بعينه رأى ربه رأه رأه حتى انقطع نفسه"

(الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص: ۳۸۰)

ترجمہ: میں حضرت ابن عباس والی حدیث کی روشنی میں کہتا ہوں کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت امام احمد اس کی تکرار کرتے ہی رہے یہاں تک کہ آپ کی سانس ٹوٹ گئی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شبِ معراج رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب کا دیدار کیا۔ نفس دیدارِ الٰہی میں صحابہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ہاں اس بارے میں ضرور اختلاف تھا کہ یہ دیدار دل کی نگاہوں سے ہوا یا سر کی نگاہوں سے۔ تفصیل اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ملاحظہ کریں۔

اعتراض:

احادیث سے ثابت ہے کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے قریب ہوئے اور خدا آپ سے قریب ہوا قریب و بعید ہونا اجسام کے خواص میں سے ہے۔ اس سے تو معاذ اللہ رب تعالیٰ کا مجسّم ہونا ثابت ہو رہا ہے اور یہ مفضی الی الامکان ہے فیتطرق

الیہ الحدوث وھو مبطل الألوھیة.

جواب:

مایۂ ناز محدث حضرت علامہ غلام رسول صاحب قبلہ سعیدی مُدَّ ظلہ العالی حضرت قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو قرب کا اسناد کیا گیا ہے یا اسکے قریب ہونے کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے یہ مکان اور نہایت کا قرب نہیں جیسا کہ ہم نے امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرب کی کوئی حد نہیں ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ کے نزدیک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عظیم مرتبہ اور مقام کو ظاہر کیا اور آپکی معرفت کے انوار کو چمکایا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے غیب اور اپنی قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرایا اور اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے آپکی ثنائے جمیل کی، آپ سے زیادہ انس کا اظہار کیا اور آپ سے بہت خوش ہوا اور آپ پر بہت احسان، اکرام اور انعام فرمایا۔

(شرح صحیح مسلم علامہ سعیدی صاحب ج۱ص:۶۹۶)

علمِ ما کان وما یکون:

شبِ معراج رب تبارک وتعالیٰ نے حضور پرنور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پہ دستِ قدرت پھیر کے آپکو علمِ ما کان و ما یکون [ماضی اور مستقبل

سب کا علم] عطا فرمایا اور آپکے سینۂ مبارک کو ایسا خزینہ بنا دیا جسمیں اسرارِ الٰہیہ، معارفِ ربّانیہ اور علم وحکمت کے ہزار در ہزار اور بے حدو بے شمار چشمے ابل رہے ہیں جنکو یا تو وہ جانیں یا ان کا خالق و مالک مولیٰ تعالیٰ جانے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رایت ربّی عزّ و جلّ فی احسن صورۃ قال :فیم یختصم الملأ الا علی قلت :انت اعلم. قال: فوضع کفہٗ بین کتفی فوجدت بردھابین ثدی فعلمت ما فی السمٰوات و ما فی الارض " (مشکوٰۃ باب المساجد ص:۷۰ وذکر جمیل ص:۳۲۰ وجاء الحق ص:۶۳)

ترجمہ: میں نے اپنے رب عزوجل کو احسنِ صورت میں دیکھا۔رب نے فرمایا کہ اے محمد! ملائکہ مقربین کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: مولا تو ہی خوب جانتا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اسکے وصولِ فیض کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی۔ پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہوگیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

اسی باب کی فصلِ ثالث میں جو حدیث ہے اسمیں یہ الفاظ زائد ہیں:

"فتجلی لی کل شیء وعرفت"

ترجمہ: جب رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا دستِ رحمت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو ہر شئی میرے لئے روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا (مشکوٰۃ ص:۷۲)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دانستم ہر چہ در آسمان وہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں"

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج۱ ص۳۳۳)

ترجمہ: "جو کچھ آسمان وزمین میں ہے میں نے جان لیا،، یہ تمام کلی وجزئی علوم کے حصول واحاطہ سے عبارت ہے۔

افضل الافاضل امثل الاماثل حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب (والد محترم اعلحضرت) "الکلام الاوضح فی تفسیرِ الم نشرح،، میں فرماتے ہیں:

"پروردگار تقدس وتعالیٰ نے اس وقت اپنے حبیب کو علم ملک وملکوت اور اسرار جبروت ولاہوت سے مطلع فرمایا "فأوحی الی عبدہ ما أوحی" لکھا ہے کہ جب آپ عرش سے بڑھے ہیبت سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ اس وقت پروردگار نے دستِ قدرت اپنا آپ کے شانوں کے بیچ رکھا اسکے رکھنے سے علمِ اولین وآخرین آپ کو حاصل ہوا اور ایک روایتِ مرفوع میں آیا کہ جب میں مقامِ جلال وہیبت میں پہونچا خوف میرے دل پر غالب

ہوا۔ ناگاہ ایک قطرہ عرش سے ٹپکا میں نے نوش کیا کوئی چیز اس سے شیریں نہ چکھی بمجرد نوش فرمانے کے اگلوں پچھلوں کا علم مجھکو حاصل ہوا،، (الکلام الأوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح ص: ۳۷۹)

حضرت ملاّ معین واعظ کاشفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو! معارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۶۶۔

ان دلائلِ قاطعہ سے واضح ہوا کہ خالق کائنات نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شبِ معراج ہر علمِ کلی وجزئی سے آگاہ فرمادیا۔ یہی حق ہے اور ہم عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عقیدہ ہے۔ **فالحمد لله على ذلك اللهم ثبت قلوبنا على هذه العقيدة الصحيحة النقية.**

[حلِّ لغات] ”لما،،۔ حرفِ شرط ہے۔ فعل ماضی کیساتھ خاص ہے اور ایسے دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جسمیں سے فعلِ ثانی کا وجود فعلِ اول پر موقوف ہوتا ہے۔ ”رفعت،،۔ صیغہ واحد مذکر حاضر مجہول از فتح بمعنی اٹھانا۔ بلند کرنا۔ ”سمت،،۔ صیغہ واحد مؤنث غائب از سما یسمو سموا ً بمعنی بلند ہونا۔ آسمان کو سماء اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہر بلند چیز مثلاً چھت کو سماء کہتے ہیں۔ ”تزینت،،۔ صیغہ واحد مؤنث غائب از باب تفعل۔ اسکا مصدر تزین آراستہ ہونا اور زینت پانے کے معنی میں آتا ہے۔ ”نادیٰ،،۔ صیغہ واحد مذکر غائب از باب مفاعلہ بمعنی بلانا۔ ندا کرنا۔ ”مرحبا،،۔ مسافر کی آمد پر خوش ہوکر کہا جاتا ہے مرحباً بك یعنی تم نے کشادگی پائی اس لئے خوش ہوجاؤ وحشت

محسوس نہ کرو ۔ یہ ان مصادر میں سے ہے جن کے عوامل کو وجوباً حذف کردیا جاتا ہے ۔‘‘
حبا،، ۔ باب نصر سے فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے ۔ معنی ہے قریب ہونا ۔ السفینة جاری ہونا ۔ الشئی پیش آنا ۔ کذا و بکذا بغیر کسی بدلے کے دینا ۔ پہلا معنی بھی مراد ہوسکتا ہے اور آخری معنی بھی ۔ میں نے ترجمہ میں اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے ۔

(۸) أَنْتَ الَّذِیْ فِیْنَا سَئَلْتَ شَفَاعَةً
لَبَّاکَ رَبُّکَ لَمْ تَکُنْ لِسِوَاکَا

[ترجمہ] آپ ہی وہ (شفیع) ہیں کہ جب آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ہماری شفاعت کی درخواست کی تو آپ کے رب نے اسے قبول فرمالیا اور یہ شفاعت (اولاً) کسی اور کیلئے نہیں ۔ (یا ایسی شفاعت کا امتیاز کسی اور کو نہ ملا)

[تشریح] ہم اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن جبکہ تمام اوّلین و آخرین جمع ہونگے ، نفسی نفسی کا عالم ہوگا ، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا ، سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا ، زمین تپ رہی ہوگی ، لوگ اپنے پسینوں میں ڈبکیاں لگارہے ہونگے گناہ گاروں کی سیاہ کاریاں سامنے ہونگی ، ان کے کلیجے پھٹ رہے ہوں گے اور دل خوف و دہشت سے لرز رہے ہوں گے ، قہر خدا کے سامنے کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہ ہوگی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ بے مثال عزت افزائیاں ہوں گی جنہیں نہ ہی زبان بیان کرسکتی ہے نہ ہی قلم سپردِ قرطاس کرسکتا ہے ۔ ان میں سب سے بڑی عزت افزائی یہ ہوگی کہ رب تعالیٰ آپ کو

بابِ شفاعت وا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہ گار امتیوں کو دوزخ سے نجات کا پروانہ عطا فرمائیں گے۔ پریشان حالوں کی دست گیری فرما کر ان کی پریشانیوں کو دور فرمائیں گے۔

رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان کی نجاست:

وہابیوں کے گمراہ کن باطل اور فاسد عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بروزِ قیامت شفاعتِ عامّہ حاصل نہ ہوگی بلکہ انہیں شفاعتِ خاصّہ حاصل ہوگی۔ یعنی قیامت میں جن کی شفاعت کا اذن ہوگا خاص انہیں کی شفاعت کریں گے۔ ان کے علاوہ دوسروں کی شفاعت نہ کریں گے۔ امام الطائفہ الزائغہ اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان (**الشهير لدى العلماء بتفوية الايمان**) میں یہی عقیدہ بیان کیا ہے اور اسے شفاعت بالاذن سے موسوم کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن مقدس میں جس نبی یا ولی کی شفاعت کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔ اس کے اندھے پیرو کار اپنے گمراہ مرشد کے قول کو جزءِ ایمان سمجھ کر اس کی تائید میں یوں بکواس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے اس پر کسی کا زور نہیں جس کو چاہے گا قیامت میں شفیع بنا دے گا۔ تخصیص کسی کی نہیں ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کے رموز واسرار سے ناواقف، ان کے نکات ودقائق سے جاہل، اور اہلِ تفسیر کی تفاسیر سے ناآشنا، محض لفظی ترجمہ کرنے والے آیاتِ فرقانیہ سے دلیل پیش کرتے ہیں اور ان میں موجود لفظ ''اذن،، سے دھوکا کھا کر، خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے

ہوئے اپنی مرضی کے مطابق مذہب بناتے ہیں۔ جو من کو بھا گیا اس کے عاشق اور دلدادہ ہو گئے اگر چہ اس کا بطلان دلائلِ ساطعہ سے ثابت ہو اور نفس نے جسے ناپسند کیا اس سے متنفر ہو گئے اگر چہ اس کا ثبوت براہینِ قاطعہ سے ہوتا ہو۔

یہ لوگ بکواس کرتے ہوئے کہتے ہیں شفاعت اجازتِ خداوندی پر موقوف ہے اور اجازت کوئی امر ضروری نہیں کیوں کہ رب پر کسی کو بالا دستی حاصل نہیں کہ جبراً اجازت حاصل کر لے۔ لہذا اجازت امرِ محتمل ٹھہری۔ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ لہذا شفاعت ضروری نہیں جس فردِ خاص کی شفاعت کا اذن ہوگا اسکی شفاعت کی جائے گی، دوسرے کی نہیں۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ شریفہ اور علمائے سلف و خلف کی تصریحات کے خلاف ہے اور ہرگز لائقِ اعتناء نہیں ہے۔ ان کی مستدل بہ آیتوں (کہ جن میں لفظِ اذن موجود ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جن حضراتِ اہل ایمان کے لئے دنیا میں اذنِ شفاعت ثابت نہیں، بروزِ قیامت ان کی شفاعت امرِ موہوم، ظنی، موقوف بر اذنِ خدا ہوگی۔ اذن ہوگا تو شفاعت کریں گے ورنہ نہیں۔

اور جو آیتیں شفاعت کی بالکلیہ نفی کر رہی ہیں وہ ان لوگوں کے رد میں ہیں جو بتوں کی شفاعت پر نازاں اور اپنے کافر بزرگوں کی شفاعت پر فرحاں تھے۔ ان کے توسل سے مواخذہ سے محفوظ رہنے کا خیالِ فاسد رکھتے تھے۔ لہذا انکے خیالِ خام کا رد کیا گیا کہ تم جس شفاعت پر پھولتے ہو اور فخر کرتے ہو اس پر مت پھولو! کیوں کہ بروزِ قیامت کسی کی شفاعت قبول نہ کی جائے گی۔ شفاعت اسی کی قبول ہوگی جس کو وہ اجازت دے گا اور تمہارے معبود

انِ باطلہ خود جہنم کے ایندھن ہیں۔ انہیں شفاعت کی اجازت کیوں کر دی جاسکتی ہے؟۔ لہذا ان کی شفاعت پر فخر مت کرو اور رہے فخرِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو انہیں اسی دنیا میں نہ صرف یہ کہ شفاعت کا اذن ملا بلکہ قبولیتِ شفاعت کی بشارت بھی ملی۔

اب شفاعت کے اقسام پر روشنی ڈالی جارہی ہے اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت فراہم کیا جائیگا۔

شفاعت کے اقسام:

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) شفاعتِ کبریٰ عامّہ۔ یہ شفاعت قیامت کی ہولنا کی سے نجات دینے کیلئے اور حساب میں جلدی کرنے کیلئے ہوگی۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) وہ شفاعت جو ایک بڑی جماعت کو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کرانے کیلئے ہوگی۔ یہ شفاعت بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

(۳) تیسری شفاعت وہ ہے جو اُن لوگوں کیلئے ہوگی جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ انہیں یا تو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے بخشا جائے گا یا رب تعالیٰ بغیر شفاعت محض اپنے رحم وکرم سے بخش دیگا۔

(۴) شفاعت کی چوتھی قسم وہ ہے جو ان گنہگار امتیوں کیلئے ہوگی جو اپنے گناہوں کے سبب

دوزخ میں داخل ہو چکے ہونگے۔

(۵) پانچویں قسم کی شفاعت وہ ہے جو اہلِ جنت کے رفع درجات کے لئے ہوگی۔

(شرح مسلم للنووی ج ا ص:۱۰۴)

ثبوتِ شفاعت پر دلائل:

(۱) ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْماً﴾ (نساء:۶۴)

ترجمہ: اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ی دیں اور اپنے گناہوں پر اللہ سے توبہ کریں اور رسول ان کے لئے شفاعت کر دیں تو یہ لوگ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

(۲) ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْ مِنَاتِ﴾ (محمد:۱۹)

ترجمہ: اےمحبوب! بظاہر اپنے خلافِ اولیٰ کاموں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت طلب کیجئے۔

(۳) ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: ان کو معاف کر دیجئے! اور ان کے لئے شفاعت کیجئے۔

(۴) ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ﴾ (النور:۶۲)

ترجمہ: ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کیجئے۔

یہ وہ آیاتِ مبارکہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ثبوتِ شفاعت پر دلالت کر رہی ہیں بلکہ ان

میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ گناہ گاروں کیلئے شفاعت فرمائیں۔ انبیائے سابقین بھی اپنی امت کیلئے، والدین کیلئے اور بالعموم تمام مسلمانوں کے لئے شفاعت کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ مقدس میں بے شمار مقامات پر ان کی حکایت بیان کی ہے۔ تفصیل کیلئے سورۂ نوح، سورۂ ابراھیم، سورۂ مریم، سورۂ یوسف، سورۂ مائدہ، اور سورۂ اعراف وغیرھا کی تلاوت فرمائیں۔ ان میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جن میں حضراتِ نوح، ابراہیم، یوسف علیھم السلام کی شفاعت کا بیان موجود ہے۔

اب ثبوت شفاعت کی احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شیخین نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں ہے:

"فاذا رأيتهُ وقعت ساجدا فيدعني ماشاء الله ان يدعني ثم يقال لي: ارفع راسک فسل تعطه وقل تسمع واشفع تشفع فارفع رأسي فاحمد ربي بتحميد يعلمني ثم اشفع فيحد لي حدا ثم اخرجهم من النار وادخلهم الجنة ثم اعود فاقع ساجدا مثله في الثالثة او الرابعة حتى ما بقي في النار الا من حَبِسَهُ القرآن وكان قتادة يقول عند هذا اى وجب عليهم الخلود"

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤنگا۔ اللہ تعالیٰ

جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ مانگو ملے گا۔ شفاعت کرو قبول ہوگی۔ پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کرونگا جو میرا رب مجھے اس وقت تعلیم دیگا ۔پھر میں شفاعت کرونگا۔تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ پھر گناہ گاروں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) یہاں تک کہ دوزخ میں وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے قتادۃ کہتے ہیں یعنی جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔(الصحیح للبخاری ج۲ص:۹۷۱، و الصحیح لمسلم ج۱ص:۱۰۹، والسنن لابن ماجہ ص:۲۰)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انا اول الناس من یشفع فی الجنة وانا اکثر الانبیاء تبعا،،

ترجمہ: میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا اور میرے متبعین تمام انبیائے کرام سے زائد ہوں گے۔(الصحیح لمسلم ج۱ص:۱۱۲)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انّ رسول اللہ ﷺ قال لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل نبی دعوتہٗ و انی اختبأت دعوتی شفاعۃ لامتی یوم القیامۃ فھی نائلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا،، (مسلم شریف ج۱ص:۱۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر

نبی کی ایک دعا ایسی ہوتی ہے جو بالضرور مقبول ہوتی ہے۔ لیکن ہر نبی نے اپنی دعا کو دنیا میں ہی خرچ کر ڈالا اور میں نے بروزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لئے اس دعا کو چھپا کر رکھا ہے۔ تو یہ دعائے شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور شرک کچھ بھی نہ کیا ہو۔

یہ چند حدیثیں ہیں اور اگر کتبِ احادیث کی ورق گردانی کی جائے تو ثبوتِ شفاعت وقبولِ شفاعت پر بے شمار حدیثیں مل جائیں گی جو خداوندِ تعالیٰ کی بارگاہ میں عظمتِ مصطفیٰ ووجاہتِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کے نظریات:

علمائے دیوبند شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شفاعت بالمحبت کا معنیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شفاعت قبول نہ کرے تو اسے رنج ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے اور شفاعت بالوجاہت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی وجیہ بندے کی شفاعت قبول نہ کرے تو اسے نقصان کا خوف اور خطرہ ہے اور اللہ رب العزّت کو نہ کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ ہی خطرہ۔ کیوں کہ یہ چیزیں نقص و عیب کو مستلزم ہیں اور وہ ہر عیب و نقص سے منزہ ہے۔

جواب:

اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب بندوں کو وہ مقامات عطا فرماتا

ہے کہ بندے اس سے جو بھی سوال کرتے ہیں عطا فرماتا ہے۔ جو کچھ مانگتے ہیں دیتا ہے۔ جو بھی فریاد کرتے ہیں قبول فرماتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان کی فریاد قبول نہ کرے تو اسے کوئی رنج وغم لاحق نہیں ہوتا۔ لیکن درخواست قبول نہ کرنا مقامِ محبت کے خلاف ہے۔ یہاں اس وہم کا گذر ہی نہیں کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب کی دعا قبول نہ کرے تو اسے رنج ہوگا، تکلیف ہوگی۔ کیوں کہ اس نے خود دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

اسی طرح رب تبارک وتعالیٰ نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ عزت و وجاہت عطا فرمائی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور اگر بالفرض قبول نہ کرے تو اسے نقصان کا خوف اور خطرہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس رسولِ وجیہ کی بات نہ ماننا اس وجاہت کے خلاف ہے جو اس نے انہیں عطا فرمائی ہے۔

لہذا آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت بالمحبت بھی حاصل ہے اور شفاعت بالوجاہت بھی۔ اسی لئے تو امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو بارگاہِ خداوندی میں وہ وجاہت حاصل ہے کہ جب آپ نے اس کی بارگاہ میں ہم گنہگار امتیوں کی شفاعت کی درخواست کی تو رب تعالیٰ نے لبیک کہتے ہوئے آپ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمادیا۔

شفاعت کے اقسام بہت ہیں یہاں صرف پانچ قسموں کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن محقق العصر اور عظیم محدث حضرت علامہ غلام رسول صاحب قبلہ سعیدی مدظلہ العالی

نے شفاعت کی ۴۹ قسموں کو بیان کیا ہے۔ تفصیل کیلئے شرح مسلم للسعیدی ج ۲ ص:۵۹/ملاحظہ فرمائیں۔

[حلِّ لغات] "سئلت،،۔صیغہ واحد مذکر حاضراز سئل یسئل ۔مانگنا۔سوال کرنا ۔درخواست کرنا۔"شفاعت ،، بابِ فتح کا مصدر ہے۔سفارش کرنا۔"لبّی،، ۔بابِ تفعیل سے صیغہ واحد مذکر غائب۔جواب دینا۔لبیک کہنا۔

(۹) أنتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ
مِنْ زَلَّةٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ أبَاکَا

[ترجمہ] آپ وہ (حبیب ہیں) کہ جب (حضرت) آدم (علیہ السلام) نے آپ کو اپنی اجتہادی لغزش کے درگزر کا وسیلہ بنایا تو کامیاب وکامران ہو گئے حالانکہ وہ آپ کے جدِّ امجد ہیں۔

[تشریح] شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی اجتہادی غلطی کے سرزد ہو جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی تو ان کی دعا شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئی۔اس واقعہ کا ذکر متعدد کُتُبِ احادیث میں موجود ہے۔

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے ۔چوں کہ آج کل وسیلہ پر بڑی بحثیں ہو رہی ہیں۔ایک گروہ اپنی جہالت ولاعلمی کی وجہ سے اسے ناجائز وحرام بلکہ شرک تک کہہ رہا ہے۔اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ کا لغوی و

شرعی معنیٰ، اس کی اقسام اور قرآن واحادیث سے اس کا ثبوت فراہم کر دیا جائے. فأقول و
بالله التوفيق :

وسیلہ کا لغوی وشرعی معنیٰ :

وسیلہ لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی کا تقرب حاصل ہو۔اور شرع
میں وسیلہ اس چیز کو یا اس ذات کو کہتے ہیں جسے اللہ نے اپنے تقرب کا سبب اور ضروریات و
حاجات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا۔

توسّل کے اقسام:

توسّل کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک توسّل تو وہ ہے جس کے جواز واستحباب میں کسی بھی کلمہ گو کا
کوئی اختلاف نہیں۔ مثلاً، نماز، روزہ، حج، زکوۃ صدقات و خیرات اور حسنِ سلوک وعمدہ
اخلاق وغیرہ اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرنا۔ ہمارے مخالفین دیوبندی
اور وہابی بھی اس توسّل کے جواز واستحباب کے قائل ہیں۔

(۲) اعمالِ صالحہ کے علاوہ بارگاہِ رب ذوالجلال کے مقربین مثلاً رسولانِ عظام اور اولیائے
کرام سے توسل کرنا اور انھیں وسیلہ بنانا۔ مثلاً یہ کہنا کہ ''اے مولیٰ! میں تیری بارگاہ میں اپنے
آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا سرکارِ غوث اعظم
رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتا ہوں تو ان کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما،، ہم اہل سنت وجماعت
کے نزدیک اس طرح کا توسل بھی جائز ہے جیسا کہ اعمالِ صالحہ کا توسل جائز ومستحسن ہے۔
اللہ کے مقرب بندوں بالخصوص حضور سیدنا سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے توسل کے جواز واستحباب پر ہم قرآن واحادیث سے استدلال کریں گے۔ جو لوگ کفر وارتداد میں پختہ ہو چکے ہیں دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور نگاہوں پر ضلالت کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں ان کے راہِ راست پر آنے کی تو امید نہیں۔ لیکن جو تذبذب کا شکار ہیں " لاالٰی ھٰؤلاء ولاالٰی ھٰؤلاء " کے زمرے میں داخل ہیں میری یہ ٹوٹی پھوٹی چند لکیریں شاید ان کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت ثابت ہوں۔

آیات واحادیث کو پیش کرنے سے پہلے میں اس امر کی توضیح ضروری سمجھتا ہوں کہ توسل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہونا لازمی ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وہ جس ذات کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے اندر نفع پہونچانے کی قوت بذاتِ خود نہیں بلکہ جو کچھ بھی ہے سب اللہ کا عطا کردہ ہے۔ خدا کی بارگاہ میں اسے عزت ووجاہت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ نیز یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ وسیلہ واجب وضروری نہیں اور قبولیتِ دعا اسی پر موقوف نہیں۔ بلکہ جائز ومستحب ہے۔ اس سے دعا کے مقبول ہونے کی امید بڑھ جاتی ہے۔

جوازِ توسل پر آیاتِ کریمہ سے استدلال:

اللہ رب العزت سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱) ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ (مائدۃ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔

یہاں وسیلہ عام ہے۔ پس یہ اپنے عموم پر رہیگا اور اپنی دونوں قسموں کو شامل ہوگا ۔لہذا یہ آیتِ کریمہ جس طرح اعمال صالحہ سے توسل کے جواز واستحباب پر دلالت کر رہی

ہے اسی طرح ذوات وشخصیات سے بھی جوازِ توسل کی جانب رہ نمائی کررہی ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ یہاں وسیلے سے صرف اعمالِ صالحہ مراد ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہاں خاص اعمالِ صالحہ مراد ہیں۔ اور اگر کوئی دلیل ہو تو پیش کرو! میرا دعویٰ ہے کہ صبحِ قیامت تک نہیں پیش کرسکو گے۔

(۲) ﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ... الخ﴾ (بنی اسرائیل:۵۷)

ترجمہ: وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوب بندوں کو وسیلہ بنانا اس کے مقرب بندوں کا عمل رہا ہے۔

(۳)﴿وَ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ﴾(بقرۃ:۸۹)

ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ (یہود) اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ قرآن سے قبل یہود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دشمنوں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے "اللّٰھم افتح لنا و انصر بالنبی الامیّ" [اے اللہ! ہمیں نبی امیّ کے صدقے میں فتح ونصرت عطا فرما] اور قرآنِ مقدس میں رب تعالیٰ اممِ سابقہ

کا عمل ذکر کر کے اس کی تردید نہ فرمائے تو وہ عمل جائز ہوتا ہے۔ اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ کفر و شرک ہوتا تو یقیناً رب تعالیٰ اس سے منع فرما دیتا اور مقامِ حمد میں اس آیتِ کریمہ کو ہرگز ذکر نہ فرماتا۔

جوازِ توسل پر احادیثِ شریفہ سے استدلال:

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

(۱) قال رسول الله ﷺ: لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب! اسئلک بحق محمد لما غفرت لی. فقال الله: يا آدم! و كيف عرفت محمدا و لم أخلقه؟ قال يا رب! لأنک لما خلقتنی بيدک و نفخت فِیّ من روحک، رفعت رأسی فرأيت على قوائم العرش مكتوبا" لا اله الا الله محمد رسول الله "، فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق اليک. فقال الله: صدقت يا آدم! انه لأحب الخلق الیّ. ادعنی بحقِه فقد غفرت لک ولو لا محمد ما خلقتک (اخرجہ الحاکم فی المستدرک وصححہ ج ۲ ص: ۶۱۵، والسیوطی فی الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص: ۱۲ والطبرانی فی المعجم الاوسط ج ۶ ص: ۳۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب حضرتِ آدم سے غلطی ہوگئی تو عرض کیا: اے رب! میں بحق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھ سے اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد کو کیسے پہچانا انہیں تو میں نے پیدا بھی نہیں کیا ہے؟ آدم نے عرض کیا: اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے

دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا" لاالہ الاالله محمد رسول الله"، تو میں نے سمجھ لیا کہ تو نے سب سے محبوب مخلوق کے نام کو اپنے نام سے ملایا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا ۔ بلاشبہ وہ مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کے وسیلے سے دعا کرو تمہیں بخش دیا جائے گا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

اس حدیثِ پاک سے واضح ہوا کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے رسولِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی پیدائش سے کئی ہزار سال قبل اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا۔ بلکہ غور کرنے سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے خود حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنائیں۔

اس حدیث سے وہابیوں کے اس فریب کی قلعی کھل گئی کہ جس سے توسل کیا جا رہا ہے اس کا اس دنیا میں رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کیا تھا جس وقت آپ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث کے مفہوم کو شعر کی لڑی میں پرو کر بیان کیا ہے۔

(۲) اب میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہا ہوں جسے مخالفین کے امام ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں جگہ دی ہے وہ کہتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی " اللّٰھم انی اسئلک واتوسل الیک بنبیک محمد ﷺ نبی الرحمۃ یا محمد انی

اتوجه بک الی ربک فیجلی حاجتي لیقضیها فشفعه فیّ ،، (الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۳ ص: ۲۷۶ رواہ ایضا ابن ماجہ فی سننہٖ ص: ۹۹ باب صلوٰۃ الحاجۃ قال ابو اسحاق: ھٰذا حدیث صحیح)

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں۔ یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اپنی رفعِ حاجت کیلئے آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی فرمائے۔ اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما۔ (اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

(۳) حافظ دارمی نے اپنی کتاب السنن کے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیه ﷺ بعد مَوتِهٖ کے تحت یہ حدیث درج کی ہے:

''ہم سے ابوالنعمان نے ان سے سعید بن زید نے ان سے عمر بن مالک البکری نے ان سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی کہ اہلِ مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار کی طرف دیکھو اور اس کا روشن دان اس طرح کھول دو کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا (ایسا کرنے سے) خوب موسلا دھار بارش ہوئی جس کے بعد گھاس اُگ آئی اور اونٹ تروتازہ اور موٹے ہوگئے،، (سنن دارمی ج ۱ ص: ۴۳۔ بحوالہ اصلاح فکر و

اعتقاد ص:۱۹۵)

قبر سے توسل محض قبر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ ذرا عظمتِ مصطفےٰ ملاحظہ کریں کہ جو مٹی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مس ہوگئی اور جسے آپ کی رفاقت نصیب ہوگئی وہ بھی اس قابل ہوگئی کہ اسے بارگاہِ رب ذوالجلال میں وسیلہ بنانے کا حضرت عائشہ صدیقہ نے حکم دیدیا۔ تو جن کے جسم منور کے طفیل قبر کو یہ مرتبہ نصیب ہوا انہیں وسیلہ کیوں نہیں بنایا جاسکتا۔

یہ تین حدیثیں ہوئیں۔ پہلی حدیث قبلِ ولادت جوازِ توسل پر، دوسری حدیث قبلِ وفات اور تیسری حدیث بعدِ وفات جواز واستحبابِ توسل پر دلالت کررہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا اسی لئے جائز ہوا کہ آپ کو ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و وجاہت حاصل ہے۔ لہذا جس شئی یا جس ذات کو بھی بارگاہِ خدا میں وجاہت حاصل ہو اسے وسیلہ بنانا جائز و مستحسن ہے۔ اس پر بہت سی حدیثیں دلالت کررہی ہیں جو اربابِ نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

وہابیوں کا تعصب:

وہابی غیر مقلدین سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے خار کھاتے ہیں۔ دن رات آپ کی عظمت وجلالت کو کم کرنے کی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ یہ بکتے ہیں کہ آپ کے امامِ اعظم کی عربی (صرف ونحو وغیرہ) بہت کمزور تھی۔ انہیں تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ "خبر،، مرفوع ہوتی ہے کہ منصوب۔ "ابٌ،، اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ حالتِ رفع میں اس کا اعراب

" واو ،، ہے نہ کہ " الف ،،۔اس کے باوجود آپ کے امام صاحب نے اس شعر میں " وھو اباک ،، کہا ہے۔ حالانکہ " ابوک ،، ہونا چاہئے! کیوں کہ یہ " ھو ، مبتدا کی خبر واقع ہے۔آپ لوگ بلا وجہ ان کی تعریف وتوصیف کے گن گاتے پھرتے ہو۔

جواب:

ان وہابی اماموں نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کر کے صرف ونحو میں اپنی جہالت اور بے مائیگی کو ثابت کر دیا ہے۔ان لکیر کے فقیروں کو یہ نہیں معلوم کہ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ غیر یاء متکلم کی جانب مضاف ہوں تو رفع ونصب وجر ہر حالت میں ان کا اعراب الف کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ یہ شعر اسی لغت پر ہے۔اسی لئے " ابا ،، حالتِ رفع میں ہونے کے باوجود " الف ،، کے ساتھ ہے۔اے وہابیو! دیکھ لو ہمارے امام صاحب علوم وفنون پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔

[حلِّ لغات] " توسّل ،،۔فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب از باب تفعّل ۔تقرب حاصل کرنا۔" زلة ،، زل کا اسم مرّة۔ایک مرتبہ کرنا۔لغزش۔گناہ۔" فاز ،،۔فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب از باب نصر کامیاب ہونا۔

(۱۰ وَبِکَ الخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ
بَرْداً وَ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

[ترجمہ] اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا کی

توان کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اورآپ کے نور کی چمک سے اس کی سوزش جاتی رہی۔

[تشریح] ہوتا تو یہ ہے کہ اولاد کے وجود میں ماں باپ وسیلہ اور ذریعہ بنتے ہیں۔ان پر والدین کا احسان ہوتا ہے۔لیکن آقائے دوجہاں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے منفرد ویکتا اور بے مثال فرزند ہیں جنکا وجود اپنے آباء واجداد کا مرہونِ منت نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ سے لیکر حضرت آدم تک اور حضرت آمنہ سے لیکر حضرت حوّا تک آپکے جتنے بھی آباء واجداد اور امہات وجدات ہوئے وہ سب اپنے وجود میں آپکے محتاج ہیں۔ان سب پر آپ کا احسان ہے۔انکے حصے میں جو بھی عظمتیں اور رفعتیں آئیں وہ آپ کے بحرِ جود کے چند قطرے ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہی کیونکہ آپ بشکلِ نور اُن کی پشت میں جلوہ گر تھے۔یوں ہی حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رہنا ،حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا گلزار بن جانا،حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح ہونے سے بچ جانا اور حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کا قربان ہونے سے سلامت رہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس و پاکیزہ نور کی برکت سے تھا۔

یہ حقیقت بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔بطورِ نمونہ چند حدیثیں پیش ہیں۔

(۱)عن ابن عباس قال: قلت: یا رسول الله! این کنت وآدم فی الجنة ؟قال کنت فی صلبہٖ واھبط الی الارض وانا فی صلبہٖ ورکبت السفینة فی صلب ابی نوح وقذفت فی النار فی صلب ابی ابراھیم . لم یلتق لی ابوان قط علی سفاح لم یزل ینقلنی من الاصلاب الطاھرة الی الارحام النقیة مھذّبا

(الوفا باحوال المصطفیٰ لابن جوزی ج ا ص:۲۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جب آدم جنت میں تھے تو اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان کی پشت میں تھا۔ اور جس وقت انہیں زمین پر اتارا گیا میں ان کی پشت میں تھا اور مجھے اپنے والد نوح کے ساتھ ان کی پشت میں کشتی پر سوار کیا گیا اور مجھے اپنے والد ابراھیم کی پشت میں آگ میں ڈالا گیا اور میرے والدین کبھی بھی برائی پر نہیں ملے۔ میں پاک وطاہر پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں تجھ سے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے! اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کیا ہیں اور کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا: تیرا نام برکت والا ہے۔ تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا'' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،، تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا شخص کون ہوگا جسکا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں آخرالنبیین ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں آخری امت ہے اور اے آدم! اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں

بھی پیدا نہ کرتا،،   (المعجم الصغیر ج۲ص:۸۳،المستدرک للحاکم ج۲ص:۶۱۵،البدایہ والنھایہ ج اص:۸۱)

اس حدیثِ پاک سے پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کا ہلاکت سے محفوظ رہنا مشیت الٰہی کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ اس نے ازل ہی میں یہ مقدر کر دیا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولادِ آدم میں آخری نبی ہوں گے۔ آپ پر نبوت کا سلسلہ بند ہو جائیگا۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احسان آپ کے جملہ آباء واجداد پر ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام بھی آپ کے جد محترم ہیں ان کا وجود بھی آپکا مرہونِ منت ہے۔ حضرت امام اعظم نے اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور عمّ رسول حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وردت نارا لخليل مكتتما

فی صلبه انت كيف يحترق

[ترجمہ] یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کی شان یہ ہے کہ آپ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پشت میں پوشیدہ طور پر آتش کدۂ نمرود میں داخل ہوئے تو بھلا وہ کیسے جل سکتے تھے۔ (المدیح النبوی:۲۷)

[حلِّ لغات] ”دعا،،۔لہ۔دعا کرنا۔علیہ۔بددعا کرنا۔ الیہ. بلانا۔ازباب نصر ۔”نار،،۔آگ (جمع) نیران۔”خمدت،،۔صیغہ واحد مؤنث غائب۔ازباب سمع۔بجھنا۔

(۱۱) وَدَعَاکَ أَیُّوبٌ لِضُرٍّ مَسَّهُ
فَأُزِیلَ عَنْهُ الضُّرُ حِیْنَ دَعَا کَا

[ترجمہ] حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی مصیبت کے وقت جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارا تو آپ کو پکارتے ہی ان کی پریشانی دور کر دی گئی۔

[تشریح] اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے جلیل القدر پیغمبر حضرت ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر فرمایا ہے، اس لئے معنیٔ شعر پر روشنی ڈالنے سے قبل ان کی سوانح کے چند گوشے پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ حضرت امام ابن اسحاق نے فرمایا: "حضرت ایوب علیہ السلام مصر کے باشندے تھے۔ ان کا نسب اس طرح ہے۔ ایوب بن موص بن رازح بن عیص بن اسحاق بن ابراھیم۔

ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے حضرات نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحاق بن یعقوب۔ ان کے نسب کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

یہ حضرت سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے:

﴿وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾

ترجمہ: اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون۔ (انعام آیت:۸۴)،

"ذریتہ"، کی ضمیرِ مجرور کا مرجع حضرت ابراھیم علیہ السلام ہیں۔حضرت ایوب علیہ السلام ان انبیاء کرام میں سے ہیں جن پر نزولِ وحی کا ذکر قرآن میں صراحۃً موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ...﴾ (نساء:۱۶۳)

ترجمہ: بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اسکے بعد پیغمبروں کو بھیجی۔اور ہم نے ابراھیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب کو وحی کی۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپکے والد کا نام موص ہے۔البتہ والدہ کے نام میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام لیا بنت یعقوب ہے کچھ کا کہنا ہے کہ ان کا نام رحمۃ بنت افرائیم ہے اور بعض دوسروں نے یہ کہا کہ ان کا نام لیاؔ بنت منسا بن یعقوب ہے۔یہ قول زیادہ مشہور ہے۔(قصص الانبیاء ص:۲۵۹ علامہ ابن کثیر)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش:

قرآن مقدس میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ .فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ آتَیْنَاہُ اَھْلَہٗ وَ مِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی لِلْعَابِدِیْنَ﴾

ترجمہ: اور ایوب کو یاد کرو! جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہونچی اور تو سب رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے۔ تو ہم نے اسکی دعا سن لی۔ تو ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطاء کئے اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور بندگی والوں کیلئے نصیحت۔

مؤرخین و مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار شخص تھے۔ ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا مویشی اور غلام تھے۔ زرخیز اور لہلہاتے ہوئے کھیت تھے ۔غلے اور باغات تھے اور حضرت ایوب کی اولاد بھی بہت تھی۔

پھر دورِ آزمائش شروع ہوا اور یہ ساری نعمتیں ان سے سلب کر لی گئیں اور انہیں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیا گیا اور ان کے دل اور زبان کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہ رہا۔ اللہ کے یہ عظیم الشان پیغمبر صبر کرتے رہے اور صبح وشام خدائے تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے۔ انکے مرض نے طول کھینچا حتیٰ کہ انکے دوست واحباب بھی ان سے اکتا گئے اور ان کو شہر سے نکال کر کچرے کی جگہ میں ڈال کر چلے گئے۔ انکی بیوی کے سوا سارے لوگ ان سے جدا ہو گئے انکی زوجہ نے ان کی شفقت اور احسان کو فراموش نہ کیا بلکہ ان کے پاس آتیں اور ضروریات کا سامان فراہم کرتیں۔

جب ان کا سارا مال ختم ہو گیا تو لوگوں کے گھروں میں کام کرتیں اور اس سے جو اجرت حاصل ہوتی اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی حاجتیں پوری کرتیں (ترجمہ از عربی قصص الانبیاء علامہ ابن کثیر ص ۲۶۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کسی سخت بیماری میں مبتلا کئے گئے تھے۔لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں اور نفرت کریں، کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام ایسی چیزوں سے محفوظ رہتے ہیں جن سے لوگ نفرت کرتے اور گھن کھاتے ہیں۔

آیات و احادیث میں انکے آل و اولاد کے مر جانے، جانوروں کے ہلاک ہو جانے اور مال و دولت کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔اس سے زیادہ تفصیل کہیں ملتی نہیں۔لہذا خطباء و مقررین کو چاہئے کہ اپنی خطابت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا نقشہ اس طرح نہ کھینچیں کہ سننے والوں کو گھن آنے لگے۔ یہ ہرگز جائز نہیں اس سے احتراز ضروری ہے۔جن حضرات نے آپ کے جسم میں کیڑے پڑ جانے کا ذکر کیا ہے اور اسے بڑے بے ڈھنگے پن سے بیان کیا ہے یہ انہیں کی تحقیق انیق ہے حقیقت سے اسکا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

بیماری سے نجات:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ (ص،۴۲)

ترجمہ: ہم نے فرمایا: زمین پر اپنا پاؤں مار! یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

پانی پینے سے ان میں طاقت آگئی اور وہ پہلے سے بہت زیادہ صحت منداور حسین ہوگئے۔ان کی زوجہ انھیں ڈھونڈتی ہوئی آئیں اوران سے پوچھا اے شخص! اللہ تم کو برکت دے! کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے؟ جو بیمار تھے۔ بخدا میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ تندرست اور حسین شخص نہیں دیکھا۔حضرت ایوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔

(حِلیۃ الأولیاء ج۳ ص:۳۶۷ والمستدرک ج۲ ص:۵۸۲)

نقصان کی تلافی :

قرآن مقدس میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

(ص آیت:۴۳)۔

ترجمہ: اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اوران کے برابر اور عطا فرمادیئے اپنی رحمت کرنے اور عقل مندوں کی نصیحت کو۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں پہلے سے زیادہ مال و دولت سے نواز دیا۔ یہ ہے صبر کا صلہ اور یہ ہے شکر کی جزا۔اس لئے نہ ہی کبھی صبر کا دامن چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی شکر سے منہ موڑنا چاہیے۔

اس شعر میں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب وآلام رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے صدقے دور ہوئے، ان کا دورِ آزمائش حضور ہی کے وسیلے سے ختم ہوااور مال و دولت اور آل واولاد جیسی نعمتیں بھی انہیں

اس وقت حاصل ہوئیں جب انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کی۔

[حلِّ لغات] "مسّ"۔ ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب از نصر و سمع چھونا ۔پہونچنا۔"ضر"۔(جمع) اضرار ۔نقصان۔تنگی۔بدحالی۔"ازیل"۔ماضی مجہول از باب افعال۔دور کرنا۔

(۱۲) وَبِکَ الْمَسِیْحُ اَتیٰ بَشِیْراً مُخْبِراً
بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَا دِحاً بِعَلاکَا

[ترجمہ] حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیک وسلم کی (آمد کی) بشارت دیتے، آپ صلی اللہ علیک وسلم کے صفاتِ حسن و جمال کی خبر دیتے اور آپ صلی اللہ علیک وسلم کی رفعت و بلندی کی ثناخوانی کرتے ہوئے تشریف لائے۔

[تشریح] اس شعر میں اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے اور آپ کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اسْمُہٗ اَحْمَدُ﴾ (صف۔۶)

ترجمہ: اور یاد کرو! جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف

اللہ کا رسول ہوں۔اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ان کا نام احمد ہے۔

یہ بشارت دو باتوں کو متضمن ہے:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی تبلیغ کا حکم دیا تاکہ جب آپ تشریف لے آئیں تو یہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ قرار پائے۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خبر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہنچائی ہو اور اپنی امت کو اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفاتی نام بہت ہیں،۔جن میں چار نام "حمد،، سے مشتق ہیں۔(۱) محمد (۲) احمد (۳) حامد (۴) محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نامِ احمد سے بشارت اس لئے دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن آپ اپنے رب کی ان کلمات سے حمد کریں گے جن سے اللہ تعالیٰ کی کسی نے بھی حمد نہیں کی ہوگی۔

اس شعر میں " اَتٰــی،، وُلِدَ کے معنیٰ میں ہے۔اس سے ان نصرانیوں کا رد ہوگیا جو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں۔کیوں کہ جو پیدا ہوا اور مخلوق ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟

رہا ان کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے فرزند ہیں (معـاذ اللـہ) تو اس کا رد بھی ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر دلائل:

محققِ عصر اور عظیم محدث حضرت علامہ غلام رسول صاحب قبلہ سعیدی فرماتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اور اولاد سے اپنی براءت پر یہ دلیل قائم فرمائی ہے کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے۔ اللہ کے ولد سے پاک ہونے پر علماء نے جو دلائل قائم فرمائے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بیٹا ازلی اور قدیم ہوگا یا حادث اور ممکن ہوگا۔ اگر وہ ازلی اور قدیم ہو تو یہ دو وجہ سے باطل ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ سے مؤخر (بعد میں) ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ازلی اور قدیم کیسے ہوسکتا ہے؟ ثانیاً اللہ تعالیٰ بھی قدیم ہو اور اس کا بیٹا بھی قدیم ہو تو اس سے تعددِ قدماء اور تعددِ وجباء لازم آئیگا اور یہ باطل ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو اور وہ حادث و ممکن ہو تو یہ بھی دو وجہ سے باطل ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جب وہ حادث اور ممکن ہوگا تو پھر خدا نہیں ہوگا اور فرض یہ کیا ہے کہ وہ خدا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے تو اس کا جو بیٹا فرض کیا گیا ہے وہ بھی واجب اور قدیم ہونا چاہئے اور جب بیٹے کو حادث اور ممکن فرض کیا تو وہ باپ کی جنس سے نہ رہا (کیونکہ وہ ازلی قدیم ہے)

(۲) دوسری دلیل لوگوں کے عام عرف اور عادت کے لحاظ سے ہے کہ جس کا بیٹا ہوتا ہے اس کی بیوی ہوتی ہے اور پھر کم وبیش نو ماہ کے بعد بیوی کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کا بیٹا وجود میں آتا جب کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ

جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کے وجود میں آنے میں دیر نہیں لگتی وہ اس چیز کے متعلق فرماتا ہے "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے۔

(۳) کائنات کی ہر چیز اللہ تعالی کی مملوک ہے۔ اگر اللہ تعالی کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اللہ تعالی کا مملوک ہوتا حالانکہ بیٹا باپ کا مملوک اور غلام نہیں ہوتا (لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں بیٹے نہیں۔ (تبیان القرآن ج ۷ ص:۲۷۶)

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عام عادت اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر پیدا ہو گئے۔ اللہ رب العزت نے ان کے اس عقیدۂ باطل کی بنیاد ہی منہدم کردی اور بڑے ہی نفیس انداز میں ان کا رد فرمایا۔ سورہ آل عمران میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ﴾ (آل عمران ۵۹)

ترجمہ: عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے۔

یعنی اگر تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ لہٰذا وہ عبادت کے مستحق ٹھہرے۔ تو آدم کی پیدائش اس بھی زیادہ غیر معمولی طریقے پر ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں اللہ کے کلمہ "کــن"، سے پیدا ہوئے۔ اور جب حضرت آدم کلمۂ

کن سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ (اللہ کے بیٹے) نہیں ہیں تو حضرت عیسی علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ ایسی زبردست دلیل ہے کہ آج تک نصرانیوں سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔

یہ آج بھی اگر حق کا چشمہ لگا کر دیکھیں تو انھیں حق نظر آ ہی جائیگا اور عیسائیت سے توبہ کر کے دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے۔

مگر تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی ایسی بیماریاں ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ۔موت سے گلے لگنے کے بعد ہی ان سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے ۔قرآن مقدس نے عیسائیت و یہودیت کے کس طرح پرخچے اڑائے ہیں اگر جاننا چاہتے ہیں تو کلام پاک کی مندرجہ ذیل آیتوں کا ترجمہ مع تفسیر کے پڑھ لیں انشاء اللہ دماغ روشن ہو جائے گا اور کفار و مشرکین کا کفر و شر پارہ پارہ نظر آئے گا۔(مریم از ۸۸ تا ۹۵ .انعام از ۱۰۰ تا ۱۰۳ .نسآء از ۱۷۱ تا۱۷۳ .بقرہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ .توبہ ۳۰. صافات ۱۴۹ تا ۱۶۰ .انبیاء از ۲۶ تا ۲۹ . یونس از ۶۸ تا ۷۰ .کھف از ۱ تا ۵. مائدہ از ۷۲ تا ۷۵ .زمر ۴ .۵).

[حلِّ لغات] ''بشیر''۔خوش خبری دینے والا (جمع) بشرآء۔''مخبراً''۔اسم فاعل ازباب افعال ۔خبر دینے والا۔''صفات''۔(واحد) صفت۔اوصاف وکمالات۔''مادحاً''۔اسم فاعل ازباب فتح۔تعریف کرنے والا۔''علا''۔اسم۔بمعنی بلندی۔شرافت۔

(۱۳) وَ كَذَاكَ مُوسیٰ لَمْ يَزَل مُتَوَسِّلًا
بِكَ فِیْ الْقِيَامَةِ يَحْتَمِی بِحِمَاكَا

[ترجمہ] یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام (دنیا میں) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم سے توسل کرتے رہے اور بروز قیامت آپ ہی کی پناہ گاہ میں پناہ تلاشیں گے۔

[تشریح] حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے، حضرت علامہ ابن کثیر ان کا نسب نامہ اس طرح بیان فرماتے ہیں ''موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم علیہم السلام،، (قصص الانبیاء ص:۲۸۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں ایک سے زائد مقام پر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ جگہ جگہ ان کے قصے بیان کئے ہیں۔ کہیں بسط وتفصیل کے ساتھ، کہیں قصر وایجاز کے ساتھ۔

رب تعالیٰ نے آپ کو بے شمار نعمتیں، معجزات اور کمالات عطا فرمائے۔ اس مختصر شرح میں ان سب کا تو احاطہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کیلئے ایک دفتر درکار ہے البتہ آپ کے سب سے عظیم معجزہ، سب سے بڑے کمال اور آپ پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کا ذکر رب تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿هَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝ اِذْ رَاٰ نَاراً فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْکُثُوْآ اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَاراً لَّعَلِّیْ اٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًی ۝ فَلَمَّا

اَتَـاهَا نُوْدِيَ يَا مُوْسٰى ٥ اِنِّـىْٓ اَنَـا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ٥ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ٥ اِنَّـنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ (طٰہٰ، از آیت ۹ تا ۱۴)

ترجمہ: اور کچھ تمہیں موسیٰ کی خبر آئی! جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا: ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے شاید میں تمہارے لئے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں، پھر جب آگ کے پاس آیا۔ ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بے شک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے۔ بیشک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری بندگی کر اور میری یاد کیلئے نماز قائم رکھ۔

ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلامِ ازلی کے شرف سے نوازا۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لیکر اپنی والدہ سے ملاقات کرنے کیلئے مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ آپ کے اہل بیت بھی تھے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حمل سے تھیں اور بادشاہانِ شام کے اندیشے سے آپ نے جنگل کا راستہ اختیار فرمایا تھا۔

چلتے چلتے طور کی غربی جانب پہونچے، یہاں رات کے وقت بیوی صاحبہ کو دردِ زہ شروع ہوا، رات کافی تاریک تھی، برف باری بھی ہو رہی تھی، سردی کی شدت شباب پر تھی،

آپ کو دور سے آگ معلوم ہوئی، آپ نے بیوی سے فرمایا تم یہیں ٹھہرو میں جا کر آگ لے آتا ہوں۔ جب آپ آگ کے پاس تشریف لائے تو وہاں ایک سرسبز وشاداب درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک روشن تھا، جتنا اس کے قریب جاتے وہ دور ہوتا اور جب ٹھہر جاتے وہ قریب ہوجاتا تھا، اس وقت آپ کو اللہ تعالی نے بغیر کسی واسطہ کے شرفِ ہم کلامی سے نوازا۔ یہ کلام حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے بدن کے ہر ہر جز سے سنا اور قوتِ سامعہ ایسی ہوگئی کہ پورا جسم اقدس کان بن گیا۔

چونکہ اس شعر میں حضرت موسی علیہ السلام کا اسم شریف مذکور ہے اس لئے ان کی سیرت کے چند گوشے پیش کر دیئے گئے۔ اس شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! آپ کی شانِ اقدس یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی تا دمِ حیات آپ سے توسل کرتے رہے اور قیامت کے دن جب رب تبارک وتعالی صفتِ جباریت وقہاریت کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، ہیبت الٰہی سے تمام انبیاء ورسل خوف زدہ ہوں گے، ہر شخص مصیبت و پریشانی میں گرفتار ہوگا، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، سب نفسی نفسی کہہ رہے ہونگے اس وقت صرف آپ ہی کام آئیں گے اور تمام انبیاء ومرسلین کی طرح حضرت موسی علیہ السلام بھی آپ ہی کی پناہ چاہیں گے۔

[حلِّ لغات] "لم یزل"۔ نفی جحد بلم صیغہ واحد مذکر غائب از سمع۔ ہمیشہ کرتے رہے۔ "متوسلاً"۔ اسمِ فاعل از باب تفعّل۔ تقرب حاصل کرنا "حمیٰ"۔ چراگاہ۔ پناہ گاہ۔ ہر وہ چیز جس کی حفاظت کی جائے۔

(۱۴) وَالأَنْبِیَآءُ وَکُلُّ خَلْقٍ فِیْ الْوَریٰ
وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاکُ تَحْتَ لِوَاکَا

[ترجمہ] انبیائے کرام، مرسلینِ عظام، بادشاہانِ جہاں اور کائنات کی ہر مخلوق (بروزِ قیامت) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم ہی کے پرچم تلے ہوگی۔

[تشریح] اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک پرچم عطا فرمائے گا، قیامت تک جتنے بھی انبیاء ومرسلین اور مؤمنین ومسلمین ہونگے سب اس پرچم تلے ہونگے، اور سب آپ کی حمد وثنا بیان کریں گے۔ اس پرچم کو ''لواء الحمد،، کہتے ہیں، قرآن مقدس میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آیتِ کریمہ ﴿ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً ﴾ (بنی اسرائیل، ۷۹) کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں ''مقامِ محمود،، سے ''لواء الحمد،، مراد ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں، آپ کے قلوب واذہان کو معطر کرنے کے لئے چند حدیثیں پیش ہیں۔

بروزِ محشر چھوٹے بڑے سب حضور کے پرچم تلے ہونگے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا:

''قال رسول الله ﷺ: انا اول الناس خروجاً اذا بعثوا وانا خطیبھم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا یئسوا لواء الحمد بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر،، (الجامع للترمذی ج۲ص:۲۰۲، مشکوٰۃ المصابیح ص:۵۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلے میں باہر آؤنگا اور جب لوگ خدا کی بارگاہ میں جائیں گے تو ان کے بارے میں مَیں ہی خدائے تعالی سے کلام کرونگا اور جب لوگ ناامید ہونگے تو میں ہی انھیں بشارت سے شادکام کروں گا اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور خدائے تعالی کی بارگاہ میں مجھے سارے انسانوں سے زیادہ کرامت حاصل ہوگی۔ لیکن اس پر مجھے فخر نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ: انا سید ولد اٰدم یوم القیامۃ ولا فخر، بیدی لواء الحمد ولا فخر، وما من نبی یومئذ اٰدم فمن سواہ الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنہ الارض ولا فخر،، (الجامع للترمذی ج۲ ص:۲۲، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ج۱ ص:۸۰)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں قیامت میں بھی اولادِ آدم کا سردار ہونگا، اس پر مجھے فخر نہیں ہے، حمد کا پرچم میرے ہی ہاتھ میں ہوگا، اس پر بھی مجھے فخر نہیں ہے اور بغیر فخر کئے کہتا ہوں کہ اس دن سارے انبیاء و مرسلین میرے ہی پرچم تلے ہوں گے اور سب سے پہلے میں زمین سے باہر تشریف لاؤں گا۔

امام ابن ماجہ کی روایت بایں الفاظ ہے:

"انا سید ولد اٰدم ولا فخر وانا اول من تنشق الارض عنه یوم القیامة ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع ولا فخر ولواء الحمد بیدی یوم القیامة ولا فخر،، (السنن لابن ماجہ ص: ۳۱۹)

ترجمہ: میں تمام انسانوں کا سردار ہوں، مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور قیامت میں سب سے پہلے میرے لئے زمین شق (چاک) ہوگی، اس پر میں فخر نہیں کرتا۔ میں سب سے پہلے شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور قیامت میں لواء الحمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور اس پر بھی مجھے فخر نہیں ہے۔

آقائے نعمت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں احادیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جس کے زیرِ لوا آدم و من سِوا
اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

[حلِّ لغات] "انبیآء،،۔ (واحد) نبی۔ نبی اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس وحی یعنی خدا کا پیغام آیا ہو، تاکہ وہ لوگوں کو خدا کا راستہ بتائے، چاہے یہ پیغام نبی کے پاس فرشتہ لیکر آیا ہو یا خود نبی کو اللہ کی طرف سے اس کا علم ہوا ہو۔ "ورٰی،،۔ مخلوق۔ "رسول،،۔ (جمع) رسل۔ رسول کے معنی ہیں خدا کے یہاں سے بندوں کے پاس خدا کا پیغام لانے والا۔ اور اصطلاح میں رسول اس انسان کو کہتے ہیں جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لئے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ "أملاك (واحد)

مَلِك بادشاہ۔ ’’لواء ۔(جمع) الویۃ۔جھنڈا۔پرچم

(۱۵)لَکَ مُعجِزَاتٌ أعجَزَتْ کُلَّ الْوَریٰ
وَ فَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَیْسَ تُحَاکَا

[ترجمہ] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کو ایسے معجزات ملے جنھوں نے ساری مخلوق کو عاجز کردیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے حصے میں ایسے فضائل وکمالات آئے جن کی برابری نہیں کی جاسکتی۔(یا جن کی مشابہت اختیار نہیں کی جاسکتی)

[تشریح] معجزہ اس خلافِ عادت کام کو کہتے ہیں جو منکرین کے انکار کے وقت مدعی نبوت سے ظاہر ہوتا ہے اور مخالفین اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہتے ہیں۔

خوارق عادت کے اقسام :

خوارقِ عادت (جو عادۃً نہ ہوتے ہوں) کی آٹھ قسمیں ہیں۔جن کی تفصیل استاذِ گرامی ادیب شہیر حضرت علامہ محمد نفیس احمد صاحب قبلہ مصباحی مدّ ظلہ العالی نے کشفِ بردہ میں بڑے ہی نفیس انداز میں کی ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ارہاص: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی سے قبلِ بعثت ظاہر ہو۔جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلافِ عادت امور مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدۂ فارس کا دفعۃً سرد پڑ جانا، بحیرۂ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) معجزہ: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعدِ بعثت ظہور میں آئے، جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا ،مقام صہباء میں ایک انگلی کے اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا وغیرہ۔

(۳) کرامت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) مَعُونت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مؤمن صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) استدراج: وہ خلاف عادت چیز جو کسی مؤمن فاسق سے ظاہر ہو۔

(۶) سحر: وہ خلاف عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) ابتلاء: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق کے ہاتھوں رونما ہو اور اس میں سیکھنے سکھانے کا دخل نہ ہو۔

(۸) اہانت: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم و تعلم ظاہر ہو اور اسکے مقصد کے خلاف ہو۔ جیسے مسیلمہ کذاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ کہ اس نے ایک بھینگے کی آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہو گئی۔ (کشف بردہ شرح قصیدۂ بردہ ص۲، ۳۰۱)

عظمتِ مصطفیٰ:

اللہ تبارک وتعالی نے جملہ انبیاء کرام و مرسلین عظام علیھم الصلوۃ والسلام کو جو بھی

معجزات اور فضائل و کمالات عطا فرمائے وہ سارے کمالات رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ضرور عطا فرمائے۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے!

حسنِ یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے معجزات بھی عطا فرمائے جو نہ کسی نبی کو دیئے نہ ہی کسی رسول کو۔ معجزۂ قرآن ہی کو لے لیجئے! کیوں کہ یہ رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا دائمی اور سرمدی معجزہ ہے جو صبحِ قیامت تک باقی رہیگا اور انسانیت کے لئے ہدایت و رہ نمائی کا سامان فراہم کرتا رہیگا۔ لہذا یہی ایک معجزہ تمام انبیاء کرام کے معجزات پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ ان کے معجزات ظاہر تو ہوئے لیکن باقی نہ رہے ان کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کے معجزات کے اثرات بھی جاتے رہے۔ اسی لئے تو سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے معجزات و کمالات سے نوازا ہے جن کی برابری نہیں کی جاسکتی۔

[حلِّ لغات] ”معجزات،،۔ (واحد) معجزة۔ ”اعجزت،،۔ صیغہ واحد مؤنث غائب۔ عاجز کردیا از باب افعال۔ ” فضائل،،۔ (واحد) فضیلت۔ کمالات۔ ”جلت،،۔ از جلّ یجلّ جلالا وجلالة باب ضرب۔ بڑے مرتبے والا ہونا۔ عظیم المرتبة ہونا۔ ” تحاکیٰ،،۔ فعل مضارع مجهول صیغہ واحد مؤنث غائب از مفاعلة۔ مصدر محاکاة۔ قول یا فعل یا کسی اور صفت میں مشابہ ہونا۔

(۱۶) نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّہٖ لَکَ مُعْلِناً
وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاکَ حِیْنَ أَتَاکَا

[ترجمہ] بکری کے شانہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کو اپنے زہر سے باخبر کردیا اور گوہ نے آپ کے پاس آکر (آپکی) رسالت پر لبّیک کہا۔

[تشریح] اس سے پہلے والے شعر میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کیا تھا۔ اب یہاں سے چند معجزات کو صراحت کے ساتھ بیان فرمارہے ہیں۔ اس شعر میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو معجزوں کی طرف اشارہ ہے۔

ان دونوں معجزوں کی حدیث پاک کی روشنی میں تلاوت فرمائیں:

دستِ شاۃ کی گویائی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کے مقام پر مشرکین سے قتال کے بعد واپس تشریف لائے۔ راستے میں ایک یہودی عورت ملی جو سر پر کھانے کا برتن اٹھائے ہوئے تھی۔ اس برتن میں بکری کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ اس وقت رسولِ خدا کو بھوک بھی لگی تھی۔ اس عورت نے کہا: الحمد للہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے اللہ کی نذر مانی تھی کہ اگر آپ بخیر وعافیت واپس آئے تو میں یہ بکری قربان کروں گی اور اس کا گوشت بھون کر آپ کو کھلاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ نے بکری کے اس

گوشت کو قوتِ گویائی عطا کی اور اس نے بول کر کہا: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مجھے تناول نہ فرمائیں میں زہر آلود ہوں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ج ا ص: ۷۱۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے زہر آلود بکری بطور ہدیہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول فرمالیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے بھی کچھ کھالیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لو! اس کے بعد اس یہودی عورت کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ نے دست کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس نے مجھے بتایا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ سن کر وہ بولی: جی ہاں۔ میں نے خیال کیا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو یہ زہر ضرر نہ دیگا اور اگر نبی نہیں تو جان چھوٹ جائے گی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کو معاف فرمادیا اور کوئی سزا نہ دی اور آپ کے جن صحابہ کرام نے وہ گوشت کھالیا تھا ان کا انتقال ہوگیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس زہر آلود گوشت کے اثر کی وجہ سے ہمیشہ اپنے شانوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔ (نفسِ مصدر ص: ۷۱۹ والشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص: ۶۰۷)۔

گوہ کی گواہی کا واقعہ:

گوہ کی شہادت کا واقعہ بھی کتبِ احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین کی محفل میں تشریف فرماتھے کہ بنوسلیم کا ایک بدّ وگوہ کا شکار کر کے آیا۔اس نے کہا:لات وعزیٰ کی قسم میں آپ پرایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ پرایمان نہیں لاتی۔حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اۓ ضب !(گواہی دے)تواس ضب (گوہ) نے صاف عربی زبان میں جسے تمام حاضرین سمجھ رہے تھے جواب دیا. لبیک وسعدیک یا رسول رب العالمین ! آپ نےفرمایا: من تعبد؟ توکس کی عبادت کرتی ہے؟تواس نے کہا : الذی فی السماء عرشہ ُو فی الارض سلطانہ وفی البحر سبیلہ وفی الجنة رحمتہ وفی النا ر عذابہ،، یعنی میں اس ذات کی عبادت کرتی ہوں جس کا عرش آسمان میں ہے، جس کی حکومت زمین میں ہے جس کا راستہ سمندر میں ہے،جس کی رحمت جنت میں ہےاور جس کاعذاب جہنم میں ہے۔آپ نے ارشادفرمایا: فمن انا ؟ بھلا یہ تو بتا کہ میں کون ہوں ؟اس نے جواب دیا. انت رسول رب العالمین وخاتم النبیین قد أفلح من صدّقک وقد خاب من کذّ بک،،یعنی آپ رب العالمین کےرسول اورانبیاء کے خاتم ہیں۔جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوگیااور جس نے تکذیب کی وہ گھاٹے میں رہا۔یہ سن کر وہ بدّ و ایمان لے آیا۔(الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص:۵۹۵)

یہ حدیث کافی طویل ہےموقع کی مناسبت سے میں نے ضروری حصہ ذکر کردیا ہے ،جسے تفصیل چاہئے وہ حجۃ اللہ علی العالمین ج اص:۳۷۷ کا مطالعہ کرے۔

[حلّ لغات] ”نطق ،، ۔از باب ضرب ۔بولنا۔واضح بیان کرنا۔”ذراع،،۔کہنی

سے بیچ کی انگلی تک کا حصّہ۔ بازو (جمع) ذرعـان ۔أذرع ۔یہاں پر بکری کا دست مراد ہے ۔"سمّ"۔ سین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ زہر (جمع) سـمـام۔ سـمـوم ۔" ضبّ"۔ گوہ (جمع) أضب ۔ضبان۔ضباب ۔"لبی"۔ صیغہ واحد مذکر غائب از تفعیل ۔لبیک کہا۔

(۱۷) وَالْذِئْبُ جَاءَکَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ
بِکَ تَسْتَجِیْرُ وَتَحْتَمِی بِحِمَاکَا

[ترجمہ] بھیڑیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے پاس آیا اور ہرنی فریاد رسی چاہنے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی پناہ گاہ میں پناہ لیتے ہوئے آئی۔

[تشریح] کائنات کی ہر چیز رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مطیع و فرمانبردار ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے آقا و مولیٰ ہیں۔ جس طرح جنات و انسان پریشانیوں میں آپ کی پناہ تلاشتے ہیں اسی طرح دیگر حیوانات بھی مصائب و آلام کے وقت آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور فلاح پاتے ہیں۔ اس شعر میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کے دو واقعے بیان فرمائے ہیں۔ اب احادیث کی روشنی میں ان کی تلاوت فرمائیں!

بھیڑیے کی فریاد:

حضرت شمر بن عطیہ مزنیہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں:

"صلّی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفجر فاذا ھو

بـقريب من مأة ذئب و أقعين وفود الذئاب . فقال لهم رسول الله صلى الله تـعـالىٰ عـليـه وسلم ترضخوا لهم شيئا من طعامكم و تأمنون علىٰ ما سوىٰ ذٰلک . فشـكـوا الىٰ رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم الحاجة . قال: فـاذِنـوهنّ ، قال: فاذَنوهنّ .فخرجن و لهنّ عُواء،، (السنن للدارمی ج۱ص:۲۵)

ترجمہ:حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز ادا فرمائی،اچانک تقریباً سو بھیڑیئے پچھلی ٹانگوں کو زمین پر پھیلا کر اور اگلی ٹانگوں کو اٹھائے ہوئے اپنی سرینوں کے بل بیٹھے ہوئے باقی بھیڑیوں کے قاصد بن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں آئے ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تم اپنی کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ حصہ ان کے لئے بھی نکالا کرو اور باقی ماندہ کھانے کو (ان بھیڑیوں سے) محفوظ کرلیا کرو۔اس کے بعد ان بھیڑیوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی حاجت کی شکایت کی ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اجازت دے دو! راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے اُن کو اجازت دے دی،تھوڑی دیر بعد وہ بھیڑیئے اپنی مخصوص آواز نکالتے ہوئے چلے گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”جـآء الـذئـب فأقعىٰ بين يدى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثم بـصبـص بـذنبـه . فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : هٰذا الذئب وهو وافد الذئاب .فهل أن تجعلوا له من أموالكم شيئا؟قال: فقالوا: لا والله

ما نجعل له شيئا . قال: وأخذ رجل من القوم حجرا فرماه فأدبر الذئب وله عواء . فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذئب وما الذئب ،،(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ص:۴۰)

ترجمہ: ایک بھیڑیا آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر دم ہلانے لگا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھیڑیا دوسرے بھیڑیوں کا نمائندہ بن کر آیا ہے، کیا تم اس کے لئے اپنے مال سے کچھ حصہ مقرر کرتے ہو؟ صحابۂ کرام نے بیک زبان کہا: بخدا! ہم ایسا نہیں کریں گے۔ایک شخص نے پتھر اٹھا کر اُس بھیڑیے کو دے مارا، بھیڑیا مڑا اور غرّاتا ہوا بھاگ گیا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ کیا بھیڑیا تھا، واہ کیا بھیڑیا تھا۔

ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کی رائے گرامی کیا ہے؟ فرمایا ہر ریوڑ میں سے سالانہ ایک بکری۔انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ تو بہت زیادہ ہے۔پس آپ نے بھیڑئے کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان سے اُچک لینا اس کے بعد بھیڑیا چلا گیا۔(حجۃ اللہ علی العالمین ج۱ص:۳۶۷ مدارج النبوۃ ج۱ ص:۲۹۳ وج۲ص:۱۰۷)

ہرنی کی فریاد اور گواہی:

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

”کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الصحرآء فاذا مناد ینادیہ : یا رسول اللہ ! فالتفت فلم یر احدا . ثم التفت فاذا ظبیۃ موثقۃ فقالت :ادن منی یا رسول اللہ ! فدنا منھا فقال: ماحاجتکِ؟قالت: انّ لی خشفین فی ذٰلک الجبل فخلّنی حتّی أذھب فأرضعھما ثم ارجع الیک .قال: و تفعلین ؟قال: عذّبنی اللہ عذاب العشار ان لم أفعل. فأطلقھا فذھبت فأرضعت خشفیھا ثم رجعت فأوثقھا . وانتبہ الاعرابی فقال: لک حاجۃ ؟ یارسول اللہ ! قال: نعم .تطلق ھٰذہ فأطلقھا فخرجت تعدو وھی تقول: أشھد أن لا الہ الا اللہ و انّک رسول اللہ،،

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحرا میں تھے۔اچانک کسی نے پکارا: یارسول اللہ! حضور نے متوجہ ہوکر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔پھر دوسری طرف التفات فرمایا تو بندھی ہوئی ایک ہرنی نظر آئی۔اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے قریب تشریف لایئے ! تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قریب جا کر پوچھا تیری کیا حاجت ہے؟ ہرنی بولی: اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ مجھے کھول دیجئے میں ان دونوں کو دودھ پلا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گی۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی؟ ہرنی نے کہا کہ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے اللہ تعالٰی عشار کے عذاب میں گرفتار کرے (عشار دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوجھ کی وجہ سے فریاد کرتی ہے) پس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے کھول دیا

تو وہ چلی گئی اور اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پھر باندھ دیا اسی دوران وہ بدّو کہ جس نے ہرنی کو پکڑ رکھا تھا بیدار ہوگیا، اس نے دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہے؟ فرمایا: ہاں اس ہرنی کو رہا کر دو۔تو اس بدّو نے ہرنی کو رہا کر دیا۔وہ ہرنی چوکڑیاں بھرتی ہوئی جارہی تھی اور کہہ رہی تھی ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ،، (مجمع الزوائد ج۸ص:۲۹۵، حجۃ اللہ علی العالمین ص:۳۴۔۷۳۳ ومدارج النبوۃ ج اص:۲۹۳ والشفاج اص:۶۰۳)

ان واقعات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبان ایسی نہیں جسے پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ جانتے ہوں، جمادات وحیوانات بھی آپ کو پہچانتے اور آپ سے ہم کلام ہونا باعثِ فخر جانتے تھے۔آپ ان کی بولیاں سمجھتے اور دادرسی فرماتے اوران کے مسائل حل کر کے انہیں مشکلات سے نجات دلاتے تھے۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ کتنا بدبخت اور گستاخ ہوگا وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ''رسول پاک کو اردو اس وقت آئی جب ان کا رابطہ علماء دیوبند سے ہوا،، [لعن اللہ قائلَہ و قابلَہ و ناشرَہ] اور جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوبندی مولویوں سے رابطے میں آنے کے بعد اردو زبان آئی اس نے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی، لہذا کافر ہے۔

[حلِّ لغات] ''ذئب،،۔بھیڑیا (جمع) ذئاب۔''غزالۃ،،۔ہرنی (جمع) غزالات۔'' تستجیر،،۔صیغہ واحد مؤنث غائب از استفعال پناہ لینا۔فریاد رسی چاہنا۔

(۸) وَکَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَیْکَ وَسَلَّمَتْ
وَشَکَا الْبَعِیْرُ اِلَیْکَ حِیْنَ رَآکَا

[ترجمہ] اسی طرح وحشی جانوروں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی بارگاہ میں آکر صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور جب اونٹ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کا دیدار کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی بارگاہ میں اپنے مالک (کے ظلم) کی شکایت کی۔

[تشریح] گزشتہ شعر کی تشریح میں گزرا کہ جانور بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار بنائے گئے ہیں۔ اللہ سبحان شانہ نے جملہ حیوانات کو بطور معجزات اور خرقِ عادات رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اطاعت گزار بنایا ہے۔ اسی بنا پر اصحابِ تحقیق اور اہل باطن کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقۂ رسالت میں جملہ حیوانات، نباتات، جمادات بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ساری مخلوق داخل ہے۔

معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ بہت سے جانوروں مثلاً اونٹ، خچر، گھوڑا، گدھا، بکری، ہرنی، گوہ، بھیڑیا، چڑیا، شیر وغیرہ نے آپ کی بارگاہ میں آکر صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور اطاعت گزاری کا اقرار کیا۔ ہم یہاں چند روایتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اونٹ کی فریاد:

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"فدخل حائطا لرجل من الانصار فاذا جمل .فلمّا رأی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حنّ و ذرفت عیناه فأتاه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فمسح ذفراه فسکت فقال:من ربُّ هٰذا الجمل ؟لمن هٰذا الجمل؟ فجآء فتیً من الانصار فقال:لی،یا رسول الله !فقال: أفلا تتقی الله فی هٰذه البهیمة التی ملّکک الله ایاها ، فانّه شکا الیّ أنک تُجیعه و تد ئبه،، (السنن لأبی داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب والبہائم ص: ۳۴۵،فیصل پبلیکیشنز دیوبند۔والمسند للامام احمد بن حنبل ج۱ص:۴۳۸/۴۳۹)

ترجمہ:حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے ایک اونٹ کو دیکھا،اُس اونٹ نے جیسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار کیا رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قریب جا کر اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہوگیا۔حضور نے فرمایا: اِس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟ تو ایک انصاری نوجوان آیا اور عرض گزار ہوا: حضور یہ میرا اونٹ ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے؟ سنو! اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔

اسی لئے امامِ اہلِ سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں اس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

''ایک شتر (اونٹ) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کی آواز میں فریاد کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس کے مالک سے کہا: اسے میرے ہاتھ پر بیچ دو! اس نے کہا: حضور! (یہ بلاعوض) آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ لیکن یہ اونٹ گھر والوں کے لئے ہے کہ اس کے سوا ان کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ آپ نے کہا: یہ اونٹ کثرتِ عمل (زیادہ کام) اور قلتِ خوراک (کم کھانے) کا گلہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ تم نرمی سے سلوک کرو اور اس کے حق کا خیال رکھو،، (مدارج النبوۃ مترجم ج ۱ص: ۲۹۲ و المستدرک ج ۲ص: ۶۱۸)۔

بکریوں کا سجدہ ریز ہو جانا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

"دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حائطا للانصار و معہ ابو بکر و عمر و رجال من الانصار . قال: و فی الحائط غنم فسجدت لہ. قال: أبو بکر :یا رسول اللہ! انّا نحن أحق بالسجود لک من ھٰذہ الغنم . فقال: انّک لا ینبغی أن یسجد أحد لأحد و لو کان ینبغی أن یسجد أحد لأحد

لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها،، (دلائل النبوۃ لأبی نعیم ج۲ص:۳۷۹۔الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج اص:۵۹۹)

ترجمہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (یارِ غار حضرت سیدنا) ابو بکر صدیق، (حضرت سیدنا) عمر فاروقِ اعظم اور چند انصاری صحابہ کے ہمراہ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ باغ میں چند بکریاں تھیں۔انہوں نے (جیسے ہی حضور کا دیدار کیا فوراً) آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! اِن بکریوں سے زیادہ ہمارا حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔آپ نے فرمایا: کسی بشر کے لئے جائز نہیں کہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے، اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

گھوڑے کی اطاعت :

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں نماز کے لئے اترے۔ تو اپنے گھوڑے سے فرمایا (جسے آپ نے کھلا چھوڑ دیا تھا) کہ جب تک ہم نماز سے فارغ نہیں ہوتے حرکت نہ کرنا۔ اللہ تجھے برکت عطا فرمائے! چنانچہ آپ نے نماز ادا فرمائی تو اتنی دیر تک گھوڑے نے کسی عضو کو حرکت تک نہ دی۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج اص:۵۹۴۔

اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جانور نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام سمجھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی۔

چڑیا کی فریاد:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سفر فمررنا بشجرۃ فیھا فرخا حُمَّرَۃ فأخذناھما ، قال: فجآء ت الحمرۃ الیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھی تعرّض . فقال: من فجع ھٰذہ بفرخیھا ؟قال: قلنا: نحن .قال:ردّوھما اقال: فرددناھما الیٰ مواضعھما ،، (دلائل النبوۃ للبیھقی ج۱ ص:۳۲۱)

ترجمہ: ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم ایک درخت کے قریب سے گزرے جس میں چڑیا کا گھونسلہ تھا۔ تو ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے۔ وہ چڑیا بار بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر آ کر اڑتی اور (اپنی زبان میں) کچھ کہتی (فریاد کرتی)۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے تکلیف پہونچائی ہے۔ ہم نے عرض کیا: ہم نے اس کے بچے پکڑے ہیں۔ فرمایا: انہیں ان کے گھونسلے میں رکھ دو! تو ہم نے انہیں واپس رکھ دیا۔

[حلِّ لغات] "وحوش ،،۔(واحد) وَحش۔ جنگلی جانور۔ "سلّمت،،۔ صیغہ واحد مؤنث غائب از بابِ تفعیل ۔ سلام کرنا۔ "شکا،،۔ صیغہ واحد مذکر غائب از بابِ نصر ۔ شکایت کرنا۔ " أتت،، صیغہ واحد مؤنث غائب از بابِ ضرب ۔ "بعیر،،۔ (جمع) بُعران ۔ أبعرۃ (جج) أباعر ۔ شتر۔ اونٹ۔

(۱۹) وَدَعَوْتَ أشْجَارًا اَتَتْکَ مُطِیْعَةً
وَسَعَتْ إلَیْکَ مُجِیْبَةً لِنِدَاکَا

[ترجمہ] یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے درختوں کو طلب فرمایا تو فرمانبرداری کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور آپ کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے آپ کی طرف دوڑ پڑے۔

[تشریح] اس شعر میں اس بات کا بیان ہے کہ جملہ حیوانات (جانوروں) کی طرح تمام نباتات (پیڑ پودے) بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانبردار تھے۔ درختوں نے آپ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، آپ کی بارگاہ میں آکر سلامِ محبت پیش کیا، آپ کی رسالت کی گواہی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنا سرِ نیاز خم کیا۔ اس سلسلے کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

دو درخت اطاعتِ رسول میں باہم مل گئے:

حضرت یعلی بن مرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

"سافرت مع رسول الله ﷺ، فرأيت منه شيئا عجبا. نزلنا منزلا فقال: انطلق الى هاتين الشجرتين! فقل: ان رسول الله يقول لكما ان تجتمعا فا نطلقت فقلت لهما ذلک: فانتزعت كل واحدة منهما من اصلهما فمرت كل واحدة الى صاحبتها فالتقيا جميعاً. فقضى رسول الله ﷺ

حاجته من ورائهما. ثم قال: انطلق فقل لهما لتعود كل واحدة الى مكانهما . فاتيتهما فقلت ذلک لهما فعادت كل واحدة الى مكانها ،، (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۱ ص:۵۷۵، والمستدرک للحاکم ج ۲ ص:۱۸۔۶۱۷)

ترجمہ: حضرت یعلی بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا، میں نے بڑی تعجب خیز چیز دیکھی۔ہم ایک منزل پر اترے تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان دونوں درختوں کے پاس جاکران سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم دونوں کو جمع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔میں نے جاکران سے کہا: انھوں نے جیسے ہی (حضور کا اسمِ گرامی) سنا اپنی اپنی جڑیں اکھاڑ کر ایک دوسرے کے پاس جاکر مل گئے۔رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آڑ میں قضائے حاجت فرمائی۔پھر مجھ سے فرمایا: ان سے جاکر کہہ دو کہ اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے جائیں۔میں نے جاکر کہا: چنانچہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر جاکر کھڑے ہو گئے۔

درخت کی حاضری اور سلامی کا واقعہ:

حضرت یعلی بن مرۃ ثقفی نے فرمایا:

"ثم سرنا فنزلنا منزلا فنام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فجآءت شجرة تشق الارض حتیٰ غشیته. ثم رجع الیٰ مکانها. فلما استیقظ ذکرت له. فقال: هی شجرة استأذنت ربّها عز و جل أن تسلم علیٰ

رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاذن لها ،، (المسند للامام احمد بن حنبل ج ۴ ص:۱۷۲۔ ومجمع الزوائد ج ۹ ص:۶)

ترجمہ: پھر ہم روانہ ہوئے اور ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محوِ استراحت ہو گئے۔ اتنے میں ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سایہ فگن ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ جب حضور بیدار ہوئے تو میں نے پورا قصہ بیان کیا۔ پورا واقعہ سننے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس درخت نے اللہ عزوجل سے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں آکر سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی اجازت چاہی تھی سو اللہ نے اسے اجازت دے دی۔

درخت کی حاضری اور سلامی کا ایک اور واقعہ:

بزار نے حضرت بریدہ بن خصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

''ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رسالت پر دلالت کرنے والی نشانی طلب کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے فرمایا: اس درخت سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے بلاتے ہیں۔ اس نے جا کر درخت کو بلایا۔ وہ درخت دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں کٹ گئیں۔ پھر اپنی غبار آلود جڑیں کھینچتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے آکر کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: السلام علیک یارسول الله! اعرابی نے عرض کیا: اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ پر لوٹ جائے۔ آپ نے حکم دیا تو وہ واپس لوٹ گیا۔ اس اعرابی نے ایمان لانے کے بعد عرض کیا: یا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کروں! آپ نے فرمایا: اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اس نے کہا: اچھا مجھے اپنے ہاتھ چومنے کی اجازت دیجئے تو آپ نے اسکو اس کی اجازت عطا فرمائی،، (الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ۱ ص: ۵۷۳۔ حجۃ اللہ علی العالمین ج ۱ ص: ۷۰۶)

درختوں کی اطاعت شعاری پر کتبِ احادیث میں کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں۔ اختصار کے پیش نظر میں نے چند حدیثوں پر ہی اکتفا کیا ہے۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان معجزات کی منظر کشی کچھ اس انداز سے کی ہے۔

جَاءَ تْ لِدَعْوَتِہٖ الْاَشْجَارُ سَاجِدَ ۃً تَمْشِیْ اِلَیْہِ عَلٰی سَاقٍ بِلاَ قَدَمٖ

کَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا کَتَبَتْ فروعُھا مِن بَدِیعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمٖ

[ترجمہ] آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر پاؤں کے اپنے تنوں پر چلتے ہوئے سیدھے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ ان درختوں نے آتے ہوئے ایک سطر کھینچ دی کیوں کہ ان کی شاخوں نے راہ میں ایک انوکھی تحریر ثبت کردی۔

مشائخ کے ہاتھ پیر چومنے کا جواز اور وہابیوں کی گل کاریاں:

وہابی فرقہ کے کمالِ حماقت ورسوخ جہالت سے سبھی اہلِ علم ودانش واقف ہیں۔ یہ بدبخت اپنی طبیعت کو حدیثوں سے نہیں بدلتے بلکہ حدیثوں کو اپنی طبیعت سے بدل دیتے

ہیں۔ جو حدیث ان کے باطل مسلک کے موافق ہوتی ہے اسے بے چوں چرا قبول کر لیتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہوتی ہے اسے ضعیف یا موضوع کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ ابھی اوپر پیش کردہ اعرابی والی حدیث سے صراحۃً یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ مشائخ کے دست و پا کا بوسہ لینا جائز ہے۔ کیونکہ اس اعرابی نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کے دست و پا کا بوسہ لینے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ اگر یہ فعل ناجائز و حرام ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے اور ڈانٹ کر منع فرما دیتے۔ جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے لئے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ صاف فرمادیا کہ کسی مخلوق کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دیگر حدیثوں سے بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بارگاہِ رسالت میں آتے تھے تو آپ کے دستِ مبارک اور قدمِ ناز کو بوسہ دیتے تھے۔

چنانچہ حضرت امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

"عن زارع وكان في وفد عبد القيس قال: فلما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر عن رواحلنا فنقبل يد رسول الله ﷺ ورجله،،

ترجمہ: حضرت زارع سے مروی ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کا وفد آپ سے ملنے آیا تھا تو ان میں یہ بھی تھے۔ کہتے ہیں: جب ہم لوگ مدینہ منورہ میں آئے تو ہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کو چومنے لگے۔ (السنن لابی داؤد ج ۲ باب

قبلۃ الرجل ص:۷۰۹، مشکوٰۃ المصابیح باب المصافحہ ص:۴۰۲)۔
اس حدیث کو پڑھ کر آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کس قدر تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔ آپ کے دست و پا کو چومنا اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ اسی لئے ہم اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ علمائے کرام اور مشائخِ عظام کے ہاتھ پیر کا بوسہ لینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ شرک ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔

لیکن ابلیس کے چیلے وہابیہ کہتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ پیر چومنا جائز نہیں ہے۔ یہ فعل شرک، بدعت اور خلافِ شرع ہے۔ اب جب اپنی طبیعت سے انہوں نے یہ مسلک بنا لیا تو اس کے خلاف حدیث برداشت نہیں کر سکتے۔

جناب ناصر الدین البانی صاحب اس فرقے کے بہت بڑے محدث، حاشیہ نگار اور تخریج نویس گزرے ہیں۔ جلدی ہی فوت ہوئے ہیں۔ سعودی حکومت نے بہت سی کتابیں ان کی تحقیق و تنقیح کے بعد شائع کی ہیں۔ ویسے تو البانی صاحب کے بڑے بڑے کارنامے ہیں لیکن ان کا ایک کارنامہ ایسا ہے جس سے ان کا تعصب کے دلدل میں پھنسا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ کارنامہ یہ ہے کہ جس کتاب کی بھی یہ تحقیق و تنقیح کرتے ہیں اس سے اپنے مسلک کیخلاف تمام حدیثوں کو کسی نہ کسی بہانے سے ناقابلِ اعتبار قرار دیکر خارج کر دیتے ہیں ۔(یعنی تخریج کے نام پر اخراج کرتے ہیں) انہوں نے حضرت امامِ بخاری رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں بخشا اور ان کی بھی تصحیح کر ڈالی۔

امام بخاری نے اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں ہاتھ پاؤں چومنے کے تعلق سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ بلکہ ان سے عنوانِ باب بھی قائم فرمایا ہے۔ راقم الحروف کے پاس "الادب المفرد" کا جو نسخہ موجود ہے اس کے ص: ۲۶۱ پر امام بخاری نے باب باندھا ہے "۴۴۴ باب تقبیل الید" [ہاتھ چومنے کا باب] اس باب کے تحت تین حدیثیں درج کی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے یہاں تینوں حدیثیں درج کی جارہی ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ اپنے باطل مسلک کے فروغ کے لئے ان لوگوں نے اسلافِ کرام کی کتابوں کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا ہے اور کیسی علمی خیانتیں کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدثنا موسیٰ قال: حدثنا ابو عوانة، عن یزیدبن ابی زیاد، عن عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی، عن ابن عمر قال: "کنا فی غزوة ، فحاص الناس حیصة . قلنا: کیف نلقٰی النبیّ صلی الله علیه وسلم وقد فررنا؟ فنزلت﴿اِلَّا مُتَحَرِّفاً لِّقِتَالٍ﴾[ألأنفال: ۱۶] فقلنا لا نقدم المدینة فلا یرانا احد. فقلنا: لو قدمنا. فخرج النبی صلی الله علیه وسلم من صلوة الفجر، قلنا: نحن الفرارون، قال: انتم العکارون، فقبلنا یده . قال: أنا فئتکم"

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: ہم غزوۂ (احد) میں تھے۔ کچھ لوگوں نے غزوہ سے راہِ فرار اختیار کی۔ ہم نے سوچا: ہم کس منہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جائیں گے جب کہ ہم غزوہ سے بھاگ جانے والوں میں ہیں؟ تو آیتِ کریمہ ﴿الّا متحرفاً

لقتال ﴾[مگر لڑائی کے داؤں پیچ کی خاطر] نازل ہوئی۔ہم نے کہا: ہم مدینہ طیبہ نہیں جائیں گے کہ کہیں ہمیں کوئی دیکھ نہ لے۔(پھر) ہم نے کہا: ہم ضرور جائیں گے۔(جب ہم مدینہ طیبہ آئے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر پڑھا کر باہر تشریف لائے۔ہم نے عرض کیا: حضور! ہم تو بھاگ جانے والوں میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم تو واپس آکر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو(بھاگ جانے والے نہیں) تو بشارت سن کر ہم نے حضور کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔آپ نے فرمایا: میں تمہارا ساتھی ہوں۔

(۲) حدثنا ابن ابی مریم،قال:حدثنا عطاف ابن خالد، قال:حدثنی عبد الرحمٰن ابن رزین، قال:"مررنا بالربذة . فقیل لنا:هٰهنا سلمة ابن الاکوع . فأتیته فسلمنا علیه فأخرج یدیه فقال:بایعت بهاتین نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فأخرج کفا له ضخمة کأنها کف بعیر. فقمنا الیها فقبلناها،،

ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن ابن رزین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم"ربذہ،،سے گزرے۔تو ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع تشریف فرما ہیں۔ہم ان کی بارگاہ میں آئے اور سلام پیش کیا۔انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کیۓ اور ہمیں بتایا کہ ہم نے انہیں ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔آپ نے اپنی بھاری ہتھیلی آگے کی۔ایسا لگتا تھا کہ وہ اونٹ کا اگلا پاؤں ہے۔چنانچہ ہم آگے بڑھے اور ہم نے اسے بوسہ دیا۔

(۳) حدثنا عبد الله ابن محمد ،قال: حدثنا ابن عیینه،عن ابن جدعان،"

قال ثابت لأنس أمسست النبیّ بیدک ؟قال: نعم فقبلھا ،،

ترجمہ: حضرت ابن جدعان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھونے کی سعادت حاصل کی ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ جواب سننے کے بعد حضرت ابن جدعان نے حضرت انس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

اس کے بعد حضرت امام بخاری نے " ۴۴۵ باب تقبیل الرّجل،، [پیر چومنے کا باب] کے نام سے باب باندھ کر اس کے تحت دو حدیثیں درج کی ہیں۔ انہیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدثنا موسٰی بن اسماعیل ، قال:حدثنا مطر ابن عبد الرحمٰن الاعنق، قال: حدثتنی امر أة من صباح عبد القیس یقال لھا ام ابان ابنة الوازع ، عن جدھا، ان جدھا الوازع بن عامر، قال: قدمنا . فقیل: ذاک رسول الله . فأخذنا بیدیه و رجلیه نقبلھا.

ترجمہ: حضرت وازع بن عامر نے فرمایا: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تو (فرطِ عقیدت میں) ہم حضور کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگے۔

(۲) حدثنا عبد الرحمٰن ابن المبارک، قال:حدثنا سفیان ابن حبیب، قال:حدثنا شعبة ، قال: حدثنا عمرو، عن ذکوان، عن صھیب ، قال:

رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیه،، [حضرت صہیب نے فرمایا: میں نے حضرت علی کو حضرت عباس کے ہاتھ اور ان کے پیروں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا۔(الادب المفرد ص:۲۶۱/۲۶۲ مطبوعہ دار الغدّ الجدید)

لیکن جب البانی صاحب نے اس کتاب کی تحقیق کی تو ان تمام حدیثوں کو مع باب کے خارج کر دیا اور کتاب کا نام رکھا " صحیح الأدب المفرد ،، گویا کہ ۱۲۰۰ سال قبل امام بخاری جن حدیثوں کے ضعف کو ثابت نہیں کر پائے تھے، البانی صاحب نے چودھویں صدی کے اس دورِ پرفتن میں ثابت کر دیا اور اس طرح جلیل القدر امام و محدث حضرت امام بخاری کی اصلاح کر دی۔ اب جب کہ انہوں نے حضرت امام بخاری کا پایۂ اعتبار ہی ساقط کر دیا تو کس منہ سے امام بخاری کی روایت کردہ حدیثوں کا مطالبہ کرتے اور ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں؟ معاذ اللہ رب العالمین عن ھذا الفعل الشنیع اللائق بعقله السخیف .

مصرع: ایسی حماقتوں سے پناہ چاہتے ہیں ہم

[حلِّ لغات] "دعوت ،،۔ صیغہ واحد مذکر حاضر از نصر۔ آپ نے بلایا ۔"اشجار ،،۔ (واحد) شجر۔ درخت "مطیعةً ،،۔ اطاعة بابِ افعال سے اسمِ فاعل مؤنث۔ اطاعت کرتے ہوئے۔"سعت ،،۔ صیغہ واحد مؤنث غائب از فتح۔ دوڑ پڑے۔" مجیبة ،،۔ اسمِ فاعل مؤنث از بابِ افعال۔ جواب دیتے ہوئے۔ لبیک کہتے ہوئے۔

(۲۰) وَ الْمَآءُ فَاضَ بِرَاحَتَیْکَ وَ سَبَّحَتْ
صُمُّ الْحَصٰی بِالْفَضْلِ فِیْ یُمْنَاکَا

[ترجمہ] یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ کی ہتھیلیوں سے پانی ابل پڑا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے دستِ یمین (داہنے ہاتھ) میں بفضل الٰہی گونگی (بے زبان) کنکریوں نے تسبیح خوانی کی۔

[تشریح] اس شعر میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن معجزوں کا بیان ہے جو آپ سے کئی بار صادر ہوئے۔ ذیل میں چند روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

دستِ اقدس سے چشمے کا جاری ہونا :

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے ایک معجزہ انگلیوں سے اجرائے آب (پانی کا چشمہ جاری کرنا) بھی ہے۔ یہ معجزہ متعدد بار مختلف مقامات پر بڑے اجتماع کے روبرو ظاہر ہوا۔ یہ معجزہ ایسی کثیر سندوں کے ساتھ روایت ہوا ہے جس سے تواترِ معنوی کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور کسی دوسرے پیغمبر سے ایسا واقعہ سننے میں نہیں آیا۔

حضرت امامِ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"عن جابر قال عطش الناس یو م الحدیبیة ورسول الله ﷺ بین یدیه رکوة فتوضأ منها ثم اقبل الناس نحوه .قالوا: لیس عندنا ماء نتوضأ به و نشرب الا ما فی رکوتک. فوضع النبی ﷺ یده فی الرکوة . فجعل

الماء يفور من بين اصابعه كأمثال العيون. قال: فشربنا وتوضأنا. قيل: لجابر كم كنتم؟ قال: لو كنا مأة ألف لكفانا . كنا خمس عشرة مأة. (الصحیح للبخاری ج ۱ص: ۵۰۵، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۱ ص:۵۵۰۔ مشکوۃ المصابیح، باب فی المعجزات ص:۵۳۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن تھا۔ تو اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمالیا۔ پھر لوگوں نے آپ کی بارگاہ میں آکر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہمارے وضو کرنے اور پینے کیلئے صرف وہی پانی تھا جو آپ کے اس برتن میں تھا۔ (اب وہ بھی ختم ہوگیا) آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس اس برتن میں ڈالا۔ تو اچانک آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند پانی جاری ہوگیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس سے ہم نے پیاس بھی بجھائی اور وضو بھی کیا۔ جابر سے پوچھا گیا: آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ فرمایا: کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی ہمارے لئے کافی ہوتا۔ مگر ہم لوگ صرف ۱۵۰۰ تھے۔

شیخین حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''وہ کہتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ نمازِ عصر کا وقت آگیا تھا اور ہر طرف لوگ پانی کی تلاش میں تھے لیکن ان کو نہ ملتا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس پانی کے برتن میں رکھا اور حکم دیا کہ اس پانی

سے لوگ وضو کریں! راوی کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا تھا۔ دوسری ایک روایت میں ہے کہ انگلیوں اور پوروں سے پانی نکلتا تھا۔ پس پوری جماعت نے وضو کرلیا۔ لوگوں نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کتنے آدمی تھے؟ تو فرمایا: ہم سب تین سو تھے۔ (الصحیح للبخاری ج ۱ ص: ۵۰۴، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، مجلس البرکات۔ مدارج النبوۃ ج ۱ ص: ۲۸۲)

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا لیکن ذرا سے بچے ہوئے پانی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ پانی ایک برتن میں جمع کر کے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس میں ڈال دیا اور انگلیاں پھیلا دیں اور فرمایا وضو کرنے والے آئیں اور اللہ کی برکت سے فائدہ اٹھائیں۔ جابر کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ پس لوگوں نے وضو کیا اور پانی پیا اور میں نے اپنا پیٹ بھرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ خوب شکم سیر ہو کر پیا کیوں کہ میرے عقیدے میں وہ پانی برکت والا تھا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے پوچھا کہ اس وقت کتنے لوگ تھے فرمایا ۱۴۰۰ سو۔ (الصحیح للبخاری ج ۲ کتاب الاطعمۃ باب شرب البرکۃ والماء المبارک: ۸۴۲)

اسی لئے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ اپنے مشہور دیوانِ نعت حدائق بخشش میں فرماتے ہیں :

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیا سے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہے انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر عصا مارتے تو اس سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ شان عطا فرمائی کہ جب چاہتے انگشت مبارک سے آبِ شیریں کی ندیاں جاری فرما دیتے۔ پتھروں سے پانی جاری کر دینا زیادہ تعجب خیز نہیں کیونکہ ان سے چشمے ابلتے اور ندیاں جاری ہوتی ہیں۔ لیکن انگلیوں سے پانی جاری کر دینا بہت زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ کائنات میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ لہذا رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس معجزہ کو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے اُس معجزہ پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے کیونکہ انگلیوں سے پانی بہنا پتھر کی بنسبت زیادہ بلیغ ہے۔ پتھر سے پانی نکلنا تو معمول ہے برعکس اس کے کہ گوشت، پوست اور ہڈیوں سے پانی نکلے۔

وستِ مبارک میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا :

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

قدم وفد اليمن علىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالوا:

يا أبا القاسم! انّا قد خبأنا لک خبيئاً. فقال: سبحان الله ؛ انّما يفعل هٰذا بالكاهن والكاهن والمتكهن والكهانة في النار. فقال له أحدهم: فمن يشهد لک أنک رسول الله ؟ قال: فضرب بيده الٰى حفنة حصبآء فأخذها فقال: هٰذا يشهد أنّي رسول الله. قال: فسبحن في يده وقلن : نشهد أنک رسول الله . (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص:۱۵۴)

ترجمہ: یمن کا ایک وفد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یوں عرض گزار ہوا: اۓ ابوالقاسم ! ہم نے آپ کی آزمائش کے لئۓ ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ؛ ایسا تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا۔ اور کاہن (اٹکل سے باتیں بتانے والا) متکہن (اپنے آپ کو کاہن بتانے والا) اور کہانت سب دوزخ میں جائیں گے۔ ان میں سے کسی نے کہا: پھر اس بات پر کون گواہی دیگا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنکریوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر انہیں اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ راوی کہتے ہیں کہ کنکریوں نے تسبیح خوانی کی اور پکار اٹھیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ سبحان الله.

بزار، طبرانی، ابونعیم اور بیہقی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنہا تشریف فرما تھے۔ تو میں بھی آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آۓ اور سلام کہہ کر بیٹھ گۓ حضرت عمر اور حضرت عثمان

رضی اللہ عنہما بھی آ کر بیٹھ گئے۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لیا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں (یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگیں) میں نے انکی آواز سنی۔گویا مکھیوں کی بھن بھناہٹ ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نیچے رکھا تو وہ خاموش ہوگئیں۔اس کے بعد آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھا تو انہوں نے تسبیح کہی اور شہد کی مکھیوں کی طرح مجھے انکی آواز سنائی دی۔انہوں نے ان کنکریوں کو نیچے ڈال دیا تو وہ چپ ہوگئیں۔پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح خوانی کی اور نیچے رکھنے پر وہ خاموش ہوگئیں۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ خلافت نبوت ہے۔ابن عساکر نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(حجۃ اللہ علی العالمین ج۱ص:۱۵۔۱۴/۱۷)

اس روایت سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے ساتھ ساتھ خدامِ مصطفیٰ کی شان بھی معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکت میں رہنے کے بعد وہ حضرات اتنے کامل ہوگئے تھے کہ بے جان پتھروں کو ہاتھ لگاتے تو ان میں قوت گویائی پیدا ہوجاتی اور ان سے اللہ، اللہ، کی صدائیں آنے لگتیں، سبحان اللہ۔

کتب احادیث میں بکثرت ایسی حدیثیں مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جمادات ونباتات نے بارہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کیں۔

حضرت امامِ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی تخریج کی ہے:

"عن علی ابن ابی طالب قال: کنت مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بمکة ، فخرجنا فی بعضِ نواحیها. فما استقبله جبل و لا شجر الّا هو یقول: السلام علیک یا رسول الله!،،

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکۃ المکرّمہ میں تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ شریف کے بعض علاقہ میں تشریف لے گئے آپ کے سامنے جو بھی درخت یا پہاڑ آتا آپ کو دیکھ لینے کے بعد پکار اٹھتا:

السلام علیک یا رسول الله!

(الجامع للترمذی ص: ۲۰۳۔ المستدرک للحاکم ج ۲ ص: ۶۲۰۔ الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص: ۵۸۹)

[حلِّ لغات] "فاض،،۔ از باب ضرب ۔ بھرنا۔ چھلکنا۔ سیلاب آنا۔ "راحة،،۔ کفِ دست۔ ہتھیلی (جمع) راحات ۔ "سبحت،،۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب از بابِ تفعیل ۔ سبحان اللہ پڑھنا۔ حمد وثنا بیان کرنا۔ "صم،،۔ (واحد) أصم ۔ بہرے۔ "حصا،،۔ حصاۃ کا اسمِ جمع۔ سنگریزے۔ کنکریاں۔ "یمنی،،۔ داہنا ہاتھ (جمع) یمنیات ۔

☆☆☆

(۲۱) وَعَلَیْکَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَۃُ فِیْ الْوَرٰی
وَالْجِذْعُ حَنَّ اِلٰی کَرِیْمِ لِقَاکَا

[ترجمہ] یارسول اللہ! مخلوق میں بادل کا ٹکڑا آپ (صلی اللہ علیک وسلم) ہی پر سایہ فگن ہوا اور کھجور کا تنا آپ (صلی اللہ علیک وسلم) کی کریمانہ ملاقات کا مشتاق ہوا۔

[تشریح] قصیدۂ مبارکہ کے پندرہویں شعر کی تشریح میں گذرا کہ اِرہاص اُس خرقِ عادت چیز کو کہتے ہیں جو نبی سے قبلِ بعثت ظاہر ہو۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِرہاصات میں سے یہ بھی ہے کہ بعثت سے پہلے بادل کا ایک ٹکڑا آپ پر سایہ فگن رہتا تھا۔

بادل کا سایہ فگن ہونا:

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ رسال کے قریب پہونچی تو تجارتی مقاصد کیلئے اپنے چچا کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔ جب قافلہ مقامِ بصری میں پہونچا تو اس نے ایک راہب کی خانقاہ کے قریب قیام کیا۔ وہاں عرصۂ دراز سے ایک عیسائی سکونت پزیر تھا جو بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا۔

قریش کے تجارتی قافلے ہمیشہ اس راستے سے گزرا کرتے تھے لیکن اس نے کبھی بھی توجہ نہ دی تھی اور نہ ہی گفتگو کرنے کا روادار ہوا تھا۔ لیکن اس مرتبہ جب قافلہ اس کی وادی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ جب

قافلہ ایک درخت کے سائے میں اترا اور یہ بچہ جب وہاں پہونچا تو درخت کے سایہ میں کوئی جگہ نہ رہی تھی اسلئے مجمع سے باہر ہی وہ بچہ دھوپ میں بیٹھ گیا تو درخت نے فوراً جھک کر اپنا سایہ اس بچہ پر ڈال دیا۔

اس راہب نے سوچا کہ کہیں یہ وہی نبی آخرالزماں تو نہیں کہ جن کا ذکر کتب سابقہ میں ہم پڑھتے چلے آئے ہیں۔ مزید علامتیں جاننے کیلئے اس نے خلافِ معمول پورے قافلے کی دعوت کی اور جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی دعوت میں شریک ہوئے تو اس نے آپ سے چند سوالات کئے۔ آپ نے جواب مرحمت فرمائے۔ جب آپ کے حالات اس پر واضح ہو گئے اور اس نے جان لیا کہ آپ ہی خاتم النبیین ہیں تو اس نے آپ کی پشتِ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور بے ساختہ جھک کر ختم نبوت کو چوم لیا اور آپ کے چچا ابو طالب کو صراحۃً بتا دیا:

"هذا سيدالعالمين. هذا رسول رب العالمين. هذا يبعث رحمة للعالمين "

ترجمہ: یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ ربُّ العالمین کے رسول ہیں انھیں اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائیگا۔ یہ سننے کے بعد آپ کے چچا آپ کو لے کر تیزی کے ساتھ ملکِ شام پہونچے اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ کو لیکر مکہ واپس آگئے ۔(تلخیص از ضیاء النبی ج ۲ ص: ۴۵/۱۰۹)

حضرت امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ " الخصائص الکبریٰ،، میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

کانت حلیمة لا تدعه یذهب مكانا بعیدا فغفلت عنه فخرج مع أخته الشیمآء فی الظهیرة الیٰ البهم فخرجت حلیمة تطلبه حتّٰی تجده مع أخته فقالت: فی هٰذا الحرّة ؟ فقالت أخته : یا امّه ! ما وجد أخی حرا .رأیت غمامة تظل علیه ، اذا وقف وقفت و اذا سار سارت حتّٰی انتهٰی الیٰ هٰذا الموضع . قالت: أ حقاً یا بنیة ؟ ای و الله ۔(الخصائص الکبریٰ ج۱ص:۵۸)

ترجمہ: حضرت حلیمہ سعدیہ حضور (کا غایت درجہ خیال رکھتی تھیں اوران) کو دور نہیں جانے دیتی تھیں، ایک مرتبہ قدرے غافل ہوگئیں تو آپ دوپہر کے وقت اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ میں چلے گئے۔حضرت حلیمہ (بے قرار ہوکر) ان کی تلاش میں نکل پڑیں، جب انہیں اپنی بہن شیماء کے ساتھ دیکھا تو انہیں قرار نصیب ہوا۔ حضرت حلیمہ نے (ناراض ہوکر) کہا:اتنی سخت گرمی میں انہیں یہاں کیوں لائی ؟ شیماء نے جواب دیا:امی جان !میرے بھائی کوگرمی بالکل محسوس نہیں ہوئی، کیوں کہ میں نے دیکھا کہ ایک بادل مسلسل ان پر سایہ فگن رہا، یہ ٹھہرتے تھے تو وہ بھی ٹھہر جاتا تھا، یہ چلتے تھے تو وہ بھی چلنے لگ جاتا تھا یہاں تک کہ ہم یہاں پہونچ گئے۔حضرت حلیمہ سعدیہ نے (فرحت وخوشی میں ڈوب کر) کہا: کیا یہ سچ ہے میری بیٹی ؟ شیماء نے کہا: ہاں امی جان بخدا یہ بالکل سچ ہے۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور زمانہ قصیدہ ’’قصیدۂ بردہ شریف،، میں اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔

مثل الغمامة انیٰ سار سائرةً

تقیه حرٌّ وطیس للهجیر حَمِی

[ترجمہ] جس طرح آپ جہاں تشریف لے جاتے ابر کا ٹکڑا آپ کے ساتھ جاتا اور دوپہر کی سخت تمازت سے آپ کو بچاتا۔

کھجور کے تنے کی آہ وزاری:

استنِ حنانہ (کھجور کے ستون) کا بیان بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ دس سے زیادہ صحابۂ کرام نے اسے بیان کیا ہے۔ بڑے بڑے محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہم نے اسے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ لھذا اس واقعے کے تعلق سے حدیثیں فی نفسها مشہور ہیں اور معنیً تواتر کے درجے تک پہونچی ہوئی ہیں۔

حضرت امامِ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال جابر بن عبدالله: كان المسجد مسقوفاً على جذوع نخل . فكان النبى ﷺ اذا خطب يقوم الى جذع منها . فلما صنع له المنبر سمعنا لذلك الجذع صوتاً كصوت العشار. وفى رواية .حتّى ارتج المسجد بخواره و فى روايةِ سهل و كثر بكاء الناس لما رأوا به وفى رواية المطلب وابى حتى تصدع وانشق حتى جاء ه النبى ﷺ فوضع يده عليه فسكت،

(الصحیح للبخاری ج ۱۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام ص: ۵۰۷)

وزاد غیره فقال النبی ﷺ:ان هذا لما فقد من الذکر .و ذکر غیرُه والذی نفسی بیده لو لم ألتزمه لم یزل هذا الی یوم القیامة تحزناً علی رسول الله ﷺ فأمر به رسول الله ﷺ فدفن تحت المنبر . (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج۱ص:۵۸۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر مشتمل تھی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو ایک تنے پر ٹیک لگا لیتے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے منبر بنا دیا گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر خطبہ دینے لگے تو ہم نے اس تنے سے اونٹنی کی طرح رونے کی آواز سنی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کی آواز سے مسجد شریف کانپ اٹھی۔ حضرت سہل کی روایت میں ہے کہ اس کا رونا دیکھ کر صحابۂ کرام بھی بہت زیادہ روئے۔ مطلب اور اُبَی کی روایت میں یہ ہے کہ وہ ستون روتے روتے پھٹ گیا اور پارہ پارہ ہوگیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قریب آکر اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تو خاموش اور پر سکون ہوگیا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ستون کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے دور ہوگیا ہے۔ دیگر ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو یہ رسول اللہ کی جدائی کے غم میں صبح قیامت تک روتا رہتا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے حکم کے بعد اسے ممبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

حضرت بریدہ کی حدیث میں یہ آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تنے سے فرمایا:

اگر تو چاہے تو تجھے اسی باغ میں بو دیں جہاں سے تو آیا ہوا ہے اور جڑ وغیرہ مکمل کر دیجائیں اور تر و تازہ شاخیں بھی بنا دی جائیں اور تمہارے اوپر پھل بھی ظاہر ہو جائیں اور اگر تمہاری خواہش ہو تو تم کو جنّت میں لگا دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تمہارے پھل سے لطف اندوز ہوں۔ پھر آپ نے اَپنے کانوں کا رخ اس کی طرف کیا تا کہ سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ستون کہہ رہا ہے کہ اسے جنّت میں لگا دیا جائے تا کہ وہ اللہ کے محبوب بندو کو اپنا پھل کھلائے۔ اور کہتا ہے کہ اس جگہ پر میں پرانا اور قدیم ہوں گا اور میرے لئے فنا بھی نہ ہوگی۔ یہ باتیں ہر قریب آنے والے نے سنیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ میں یہی کچھ کروں گا۔ آپ نے اس سے فرمایا: اے ستون! تو نے دارِ بقا کو دارِ فنا کے مقابلہ میں پسند کیا۔

(مدارج النبوۃ مترجم ج ۱۔ص:۳۰۱)

[حلِّ لغات] " ظلّلت "۔ صیغہ واحد مونث غائب از تفعیل۔ سایہ فگن ہونا۔ سایہ ڈالنا۔ " غمامۃ "۔ بادل کا ٹکڑا (جمع) غمائم۔ " جِذع "۔ درخت کا تنا (جمع) جذوع۔ اجذاع۔ " حَنَّ "۔ از باب ضرب۔ غم یا خوشی سے آواز نکالنا۔ مشتاق ہونا۔

(۲۲) وَكَذَاكَ لَا أَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرٰى
وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَا

[ترجمہ] اسی طرح نمناک مٹی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے چلنے کا اثر ظاہر نہ ہوا جبکہ مضبوط چٹانوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے نشانہائے قدم اتر گئے۔

[تشریح] ہمارا مشاہدہ اور معائنہ ہے کہ نرم اور گیلی مٹّی پر قدموں کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں جبکہ سخت اور مضبوط چٹانوں پر پیروں کے نشان نہیں بنتے۔لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے شمار معجزات کے ساتھ یہ معجزہ بھی عطا فرمایا کہ جب آپ نرم اور گیلی زمین پر چلتے تو چلنے کا اثر بالکل ظاہر نہ ہوتا جبکہ سخت سے سخت پتھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش کفِ پا کو اپنے سینے میں اتار لیتے۔

یہ واقعہ ایک دو بار نہیں بلکہ سیکڑوں دفع رونما ہوا ہے۔کیوں کہ دنیا کے کونے کونے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نشانات موجود ہیں۔مسلمان ان کی تعظیم کرتے، بوسہ دیتے، سینے سے لگاتے، سروں پر رکھتے، ان کے وسیلے سے دعائیں مانگتے اور بے شمار برکتیں حاصل کرتے ہیں۔یہ سارے امور جائز و مستحسن ہیں۔

جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش کفِ پا ثبت ہوگئے تو اسے ”واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى،، کے طمغے سے نواز دیا گیا۔اور وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز بن گیا تو جن کے صدقے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت ورسالت سے نوازا گیا بلکہ زیورِ تخلیق سے آراستہ کیا گیا اور بروزِ قیامت وہ جن کی پناہ میں

آئیں گے، ان کے نقش کفِ پا کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت علامہ شہاب الدّین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ شفا میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ معجزہ اقطارِ ارض میں مشہور و معروف ہے اور اسے شعراء نے فصیح اشعار میں نظم کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض اوقات چلتے تو آپ کے قدموں کے نشان پتھروں پر پڑ جاتے یہ نشان اب تک باقی ہیں، لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ قدس شریف میں معمول ہے۔ یہ نشانات قدس شریف سے مصر کے کئی مقامات پر منتقل کئے گئے۔ یہاں تک کہ روایت ہے کہ سلطان قاتبیانی نے انہیں بیس ہزار دینار میں خریدا اور وصیت کی کہ انہیں اس کی قبر کے پاس رکھا جائے اور وہ نشانات حسبِ وصیت اس کی قبر کے پاس آج بھی موجود ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ج ا ص:۲۰ ۷)

حضرت شیخ الاسلام مفسرِ قرآن علامہ محمد مدنی میاں صاحب قبلہ مد ظلہ العالی نے کیا ہی خوب فرمایا:

عرشِ معلّٰی سر پے اٹھائے طائرِ سدرہ آنکھ لگائے　　پتھر بھی قسمت چمکائے تلوا ہی کچھ ایسا ہے

صاحبِ قصیدہ حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

[حلِّ لغات] ”مشی“۔ مشی یمشی کا مصدر۔ چلنا۔ ”ثری“۔ نمناک مٹی۔ (جمع) أثراء۔ ”صخر“۔ (واحد) صخرۃ۔ ٹھوس بڑا پتھر۔ چٹان۔ ”غاصت“۔ صیغہ واحد مؤنث غائب از نصر۔ غوطہ لگانا۔ اترنا۔ داخل ہونا۔

(۲۳) وَ شَفَیتَ ذَاالعَاھَاتِ مِنۡ أمۡرَاضِہٖ
وَمَلأتَ کُلَّ الأرۡضِ مِنۡ جَدۡوَاکَا

[ترجمہ] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم نے آفت رسیدہ اور مصیبت زدہ شخص کو اس کی بیماریوں سے نجات دی اور پوری روئے زمین کو اپنی عطاو بخشش سے لبریز کردیا۔

[تشریح] اللہ تبارک وتعالیٰ نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کی خطرناک ولا علاج اور اندوہناک بیماریوں کا معالج اور طبیبِ حاذق بنا کر مبعوث فرمایا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی بیماریوں سے نجات دی۔جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفر وشرک ،بغض وعناد، تکبر وغرور اور فتنہ وفساد کی گندگیوں سے لوگوں کے دلوں کو پاک وصاف فرما کرانہیں معرفتِ الٰہی کا گنجینہ بنادیا اسی طرح جو مریض بھی لاعلاج بیماری لے کرآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے دکھ درد کی فریاد کرتے ہوئے آیا آپ کی ایک نگاہِ کرم نے اسے صحّتِ کاملہ سے نواز دیا۔

اس سلسلے کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلو دوبارہ جڑ گیا:

امام ابن اسحاق اور امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت حبیب بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا حبیب غزوۂ بدر میں زخمی ہوگئے اور ان کا ایک پہلو

لٹک آیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا کر اسے اس کی جگہ پر جوڑ دیا تو وہ جڑ گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ج ا ص: ٦٨٠)

سرکش جن بھاگ گیا:

امام بزار، امام طبرانی اور امام ابونعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ "ذات الرّقاع" میں نکلے۔ جب حرہ واقم کے مقام پر پہونچے تو ایک بدّو عورت اپنا بچہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے اس بچہ پر جن کا غلبہ ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا منہ کھول کر اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور تین مرتبہ فرمایا: "اے دشمن خدا دور ہو! میں اللہ کا رسول ہوں" پھر فرمایا: اپنے بچے کو لے جاؤ اب وہ جن دوبارہ نہیں آئیگا۔ جب ہم جنگ سے لوٹے تو وہ عورت حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس بچہ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ لعابِ دہن لگانے کے بعد وہ جن دوبارہ نہیں آیا۔ (نفس مصدر ج ا ص: ٦٨١)

اس طرح کی ایک روایت مستدرک ج ۲ ص: ٦١٨ پر بھی ہے۔

آنکھیں بینا ہوگئیں:

وذکر العقیلی عن حبیب بن فدیک . ویقال . فریک ان اباہ ابیضت عیناہ . فکان لا یبصر بھما شیئا فنفث رسول اللہ ﷺ فی عینیہ

فأبصر فرئيته يد خل الخيط في ا لإبرة وهو ابن ثمانين.

(الشفابتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ا ص ۶۲۰)۔

ترجمہ: حبیب بن فدیک کہتے ہیں کہ ان کے والد کی آنکھیں سپید ہوگئی تھیں، کچھ نظر نہیں آتا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈال دیا تو ان کی آنکھیں بینا ہوگئیں اور حالت یہ ہوگئی کہ میں نے اسّی سال کی عمر میں بھی انہیں سوئی میں دھاگا ڈالتے دیکھا ہے۔

شفائے امراض اور ازالۂ عاہات کا باب بہت وسیع ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے چھونے، لعاب دہن لگانے، دعا کرنے اور دیگر طریقوں سے اتنے لوگوں کو شفا دی ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ شفائے امراض کے یہ واقعات ان معجزات سے الگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دواؤں کے خواص میں ظاہر ہوئے۔ علمائے کرام نے ان کے بارے میں مخصوص جداگانہ کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں اور انھیں ''علمِ طب،، کا نام دیا گیا ہے۔ بہر حال میں نے اس شعر کی تشریح میں صرف تین واقعات پر اکتفا کیا ہے۔ شفائے امراض کے کچھ واقعات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگلے اشعار میں بیان فرمائے ہیں ان کی تشریح وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

[حلّ لغات] ''عاهة،،۔ آفت۔ مصیبت (جمع) عاهات۔ '' ذوالعاهات،،۔ آفت رسیدہ شخص۔ '' شفيت ،،۔ صیغہ واحد مذکر حاضر از باب ضرب۔ تندرست کرنا۔ صحت یاب کرنا۔ ''جد وی،،۔ عطیہ۔ عطاو بخشش۔ جود وسخاوت۔

(۲۴) وَ رَدَدْتَ عَیْنَ قتادۃِ بَعْدَ الْعَمٰی
وَابْنَ الْحُصَیْنِ شَفَیْتَہٗ بِشِفَاکَا

[ترجمہ] یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ نے نابینائی کے بعد (حضرت) قتادہ کی آنکھ واپس کردی اور حضرت کلثوم ابن حصین کو اپنی شفا سے نوازا۔

[تشریح] قصیدے کے اس شعر میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفائے امراض کے دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔ کتبِ تاریخ وحدیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے۔

میں یہاں پر چند کتابوں کے حوالے سے دونوں معجزات کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

دست اقدس کی فیض رسانی:

امام ابن عدی، امام ابویعلی اور امام بیہقی حضرت قتادہ ابن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

غزوۂ بدر میں ان کی آنکھ زخمی ہوگئی اور اس کا ڈھیلہ بہہ کر رخسار پر آگیا۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر الگ کردیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو! پھر آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کو بلاکر اپنی مبارک ہتھیلی سے ان کی آنکھ کا ڈھیلہ اس کی جگہ پر دبادیا تو ان کی آنکھیں ایسی شفایاب ہوئیں کہ انہیں معلوم ہی نہیں پڑتا تھا کہ ان کی کس آنکھ

میں زخم لگا تھا۔

حضرت امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی نقل کرتے ہیں:

"اللهم اکسِبه جمالا"

ترجمہ: اے اللہ قتادہ کو خوبصورتی اور جمال عطا فرما۔

ابن سعد کی روایت میں ہے:

"فکانت أحسن عینیه"

ترجمہ: تو وہ دوسری آنکھ سے زیادہ خوب صورت ہوگئی۔

(حجۃ اللہ علی العالمین ج ۱ ص: ۶۸۰۔ مدارج النبوۃ ج ۱ ص: ۳۰۵)

ایک اور روایت میں امام طبرانی اور امام بیہقی رضی اللہ عنہما حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

غزوۂ احد کے دن میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر تیروں سے آپکا دفاع کر رہا تھا کہ اچانک ایک تیر میری آنکھ میں آلگا جس سے میری آنکھ کا حلقہ باہر آ گیا۔ میں اسے ہاتھ میں لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بھاگا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے میری ہتھیلی پر دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی:

اے اللہ! قتادہ کو بچا جس طرح اس نے تیرے نبی کے چہرے کا دفاع کیا۔ اس کی آنکھ کو زیادہ خوب صورت اور تیز کر دے!

چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوب صورت اور تیز ہوگئی (نفس مصدر ج ا ص: ۶۸۰، مدارج النبوۃ ج ا ص: ۳۰۵)

کیا ہی خوب فرمایا ہے امام عشق ومحبت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے کہ:

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا　اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا　موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

کم أبرأت وصبا باللمس راحته

وأطلقت أربا من ربقة اللمم

ترجمہ: سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ لگا کر کتنے بیماروں کو اچھا کر دیا اور کتنے دیوانوں کو دیوانگی کی قید سے رہا کر دیا۔

لعابِ دہن کی برکتیں:

مستند احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب کوئی مریض آتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا لعابِ دہن انگشتِ شہادت میں لے کر زمین پر ملتے اور اسے منجمد کر کے بیمار شخص کی تکلیف کی جگہ ملتے اور اللہ رب العزت سے اس کی شفایابی کی دعا کرتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

جب کسی انسان کو کوئی تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا لعابِ دہن مٹّی کے ساتھ ملا کر لگاتے اور اس کی شفایابی کے لئے یہ مبارک الفاظ دہراتے:

بسم الله تربة ارضنا بريقة بعضنا يشفىٰ سقيمنا باذن ربنا

ترجمہ: اللہ کے نام سے شفا طلب کرر ہا ہوں، ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کا لعاب اللہ کے حکم سے مریض کو شفا دیتا ہے۔ (الصحیح لمسلم ج ۲ ص: ۲۲۳، کتاب السلام)

حضرت امام قاضی عیاض شفا شریف میں روایت کرتے ہیں:

"رمی کلثوم بن الحصین یوم احد فی نحره فبصق رسو ل الله صلی اللہ علیہ وسلم فیه فبرأ "۔ (الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج ۱ ص: ۶۲۰)

ترجمہ: غزوۂ احد کے دن حضرت کلثوم ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں تیر گھس گیا تھا تو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو اسی وقت وہ شفا پا گئے۔

اس برقی دور میں میڈیکل سائنس اپنے عروج پر ہے۔ آج جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ میڈیکل نے ایسے ایسے آلات ایجاد کر لئے ہیں کہ ماضی میں جن کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہ گزرا ہوگا۔ لیکن کیا کوئی بڑا سے بڑا سائنس داں اور ماہر سے ماہر ڈاکٹر بھی محض ہاتھ لگا کر کسی مریض کو ٹھیک کر سکتا ہے؟ اپنے گندے تھوک سے کسی بیماری کا علاج کر سکتا ہے؟ ان نام نہاد ڈاکٹروں کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ جب تک مریض اپنا مرض نہ بتائے یہ دوا کی تجویز نہیں کر پاتے بلکہ بسا اوقات بتانے کے باوجود مرض کی تشخیص کرنے سے قاصر رہتے

ہیں۔

لیکن اللہ تبارک وتعالی نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اورلعابِ دہن میں وہ شفارکھی ہے کہ جسے اُس مبارک دست کالمس مل گیا اس کی بگڑی بن گئی اور جسے اُس لعابِ دہن کے چند ذرّے مل گئے اس کی زندگی سنور گئی۔

کتنے مبارک تھے وہ لوگ اور کتنی سعادت مند تھیں وہ ہستیاں! جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کا لمس ملا اور جنہیں لعابِ ناز کے چند قطرے نصیب ہوئے۔

کہاں ہیں وہ نادان اور احمق لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے نہیں شرماتے اور بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

نبی کی آنکھوں کی طرح اپنی دو آنکھیں تو دکھا دیں گے لیکن ان میں وہ طاقت کہاں

سے لائیں گے کہ اٹھ جائیں تو مردہ دلوں میں جان آجائے۔ دو ہاتھ تو دکھا دیں گے لیکن ان میں یہ تاثیر کہاں سے لائیں گے کہ آنکھ کے نکلے ہوئے ڈھیلے کو اپنے مقام پر رکھ دیں تو وہ پہلے سے زیادہ روشن ہو جائے۔ لعابِ دہن تو ویسا دکھا دیں گے لیکن اس میں وہ شفا کہاں سے لائیں گے کہ لگا دیں تو بڑی سے بڑی بیماریاں ایک لمحہ میں دور ہو جائیں۔

ہوسکتا ہے کوئی جاہل واحمق (دیوبندی یا غیر مقلد) یہ کہے کہ اوصاف وکمالات کو الگ رکھئے! یہ دیکھئے کہ ظاہری اعضاء میں ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح ہیں کہ نہیں؟

تو ایسے احمق و نادان شخص سے کہا جائیگا:

جنابِ مَن ! اگر اوصاف وخصوصیات اور کمالات و امتیازات کا لحاظ و اعتبار نہ کیا جائے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آپ گدھے ہیں، کیوں کہ آپ بھی گدھے کی طرح دو آنکھیں دو پیر اور دو کان رکھتے ہیں۔ آپ خنزیر ہیں کیوں آپ بھی خنزیر جیسے اعضاء رکھتے ہیں۔

حضرت جی! اوصاف وکمالات ہی ما به ا لامتیاز ہیں اگر ان کا اعتبار نہ کریں تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

[حلِّ لغات] "ردت"۔ صیغہ واحد مذکر حاضر از نصر۔ لوٹا دینا۔ واپس کر دینا۔ "عین"۔ آنکھ (جمع) أعین۔ "قتادة"۔ یہ قتادہ ابن نعمان جلیل القدر صحابی ہیں۔ "عمی"۔ مصدر از عمی یعمٰی بابِ سمع اندھا ہونا۔ "ابن حصین"۔ یہ کلثوم ابن حصین عظیم الشان صحابی ہیں۔

(۲۵) وَكَذَا خُبَيْباً وَ ابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا
جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدَا كَا

[ترجمہ] اسی طرح آپ نے اپنا دستِ مبارک پھیر کر خبیب اور ابن عفرا کو زخمی کیئے جانے کے بعد صحت یاب کر دیا۔

[تشریح] اس شعر میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

ان دو معجزوں کا ذکر فرمایا ہے جنہیں مؤرخین ومحدثین نے تاریخ وحدیث کی کتابوں میں مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

کٹے ہوئے ہاتھ دوبارہ جڑ گئے:

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انّ خبیب بن یساف اُصیبَ یوم بدر مع رسول اللہ ﷺ بضربة علی عاتقه حتی مال شقه. فرده رسول اللہ ﷺ و نفث علیه حتّٰی صحَّ.

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ا ص: ۶۲۲)

ترجمہ: غزوہ بدر کے موقع پر حضرت خبیب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کے کاندھے پر حملہ کیا گیا جس سے انکا پہلو لٹک آیا تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر اس کو واپس جوڑ دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

پھر میں نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے مجھ پر وار کیا تھا. سبحان اللہ

عروج وارتقاء کے اس دور میں کسی کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا زخمی ہو جائے تو ڈاکٹر پلاسٹر چڑھاتے ہیں اور کام اور حرکت نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ پھر کئی مہینوں کے بعد پلاسٹر کھولا جاتا ہے۔ تب بھی اس میں پہلی جیسی طاقت وقوت نہیں آپاتی۔

لیکن قربان جایئے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن پر کہ لگاتے ہی ہاتھ جڑ گیا اور صرف جڑا ہی نہیں بلکہ اس میں اتنی طاقت وقوت بھی پیدا ہوگئی کہ حضرت

خبیب نے اسی جنگ میں حملہ کرنے والے دشمن کو کیفرِ کردار تک پہونچادیا۔

حضرت امام قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وقطع ابو جهل یوم بد ر ید معوّذ ابن عفرا ء فجاء یحمل یده فبصق علیها رسو ل اللـه ﷺ و ألصقها فلصقت رواه ابن وهب. (الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ ج۱ص:۶۲۲)

ترجمہ: غزوہ بدر کے دن ابوجہل ملعون نے حضرت معوّذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوک لگا کر اسے چپکا دیا تو وہ ہاتھ اپنی جگہ پر چپک گیا۔

ایسی بے شمار روایتیں اور واقعات ہیں جن سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاحب اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ احادیث وسیر کی بڑی بڑی کتابیں ان سے مالا مال ہیں دیوبندیوں کے عقائدِ باطلہ اور اقوال خبیثہ کو پڑھنے اور ان احادیثِ مبارکہ کی تلاوت کرنے کے بعد یہ مصرع یاد آتا ہے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

ایک لطیفہ:

شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ معاندینِ اہلحدیث (وہابی) حضرت سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان و رفعتِ مکان کو کم کرنے کے لئے رات دن کوشش کرتے

رہتے ہیں، طعن وتشنیع اور سبّ وشتم سے جی نہیں بھرتا تو طرح طرح کے جاہلانہ اعتراضات کرکے اپنی حماقت و نادانی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ یہ شعر نحوی قواعد کی روشنی میں صحیح نہیں۔ کیوں کہ "یدا،، تثنیہ اور" لمس ،، کا مضاف الیہ ہے۔ تثنیہ کا اعراب حالتِ جر میں " الف،، نہیں بلکہ " یائے ما قبل مفتوح ،، ہوتا ہے۔ لہذا "بلمس یدیک ،، ہونا چاہئے نہ کہ "یداک ، ، ایسا شخص قرآن وحدیث کی روح کو کیا سمجھے گا؟ جس سے جا بجا نحوی وصرفی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لہذا امام اعظم نہ ہی مجتہد ہیں اور نہ ہی قابلِ اقتدا۔

اس جاہلانہ سوال سے سیدنا امام اعظم کا نحوی تبحّر اور معاندین ومعترضین کی علمِ نحو میں جہالت و بے مائیگی ثابت ہورہی ہے اور ان کا لکیر کا فقیر ہونا بھی واضح ہورہا ہے۔

چوں کہ ان احمقوں نے " نحو میر و شرحِ جامی،، وغیرہما کتب نحو میں یہ پڑھ لیا کہ تثنیہ کا اعراب حالتِ رفعی میں " الف،، اور حالتِ نصبی وجری میں "یائے ما قبل مفتوح،، ہوتا ہے۔ ان کا مبلغِ علم اسی قدر ہے۔ ان کے مبلغ علم کی روشنی میں یہ شعر غلط ہے۔

ان نادانوں کو کیا پتہ کہ جس طرح اسمائے ستّہ مکبّرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ تینوں حالتوں میں ان کا اعراب الف کے ساتھ ہوتا ہے (جیسا کہ بخاری شریف میں بطریق محمد بن مثنّی ہے کہ جب حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل مردود کو قتل کرنے لگے تو اس سے فرمایا "انت أبا جهل ،، اَبا جہل حالت رفعی میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے) اسی طرح تثنیہ میں بھی ایک لغت یہ ہے کی رفع ونصب وجر تینوں حالتوں میں اس

کا اعراب الف کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ شعر اسی لغت پر ہے لہذا " بلمس یداکا" بالکل درست ہے۔ اس کو لیکر امام اعظم پر وہی اعتراض کریگا جسے علم نحو کی ہوا بھی نہ لگی ہو اور یہ لغت فصیح بھی ہے اور رائج بھی۔

چنانچہ ایک عربی شاعر کہتا ہے،

انّ أبا ھا و أبا أبا ھا

قد بلغا فی المجد غایتا ھا

ترجمہ: بیشک اس کے والد اور اس کے والد کے والد، دونوں مجد و شرافت میں انتہا کو پہونچ چکے ہیں۔

اس شعر میں تیسرا 'أبا، حالتِ جر میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے۔ اسی طرح " غایتا،، تثنیہ اور حالت نصب میں ہونے کے باوجود الف کے ساتھ ہے اور یہ دونوں درست ہیں۔

[حلّ لغات] " جُرِحَا ،، ۔فعلِ ماضی مجہول صیغہ تثنیہ مذکر غائب از فتح۔ زخمی کرنا۔"لَمس،، ۔مصدر از باب نصر و ضرب چھونا۔ ٹٹولنا۔ طلب کرنا۔

(۲۶) وَعَلِیٌّ مِنْ رَمَدٍ بِہٖ دَاوَیْتَہٗ

فِیْ خَیْبَرٍ فَشُفِیْ بِطِیْبِ لِمَا کَا

[ترجمہ] اور یا رسول اللہ! آپ نے خیبر میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے آشوبِ چشم کا علاج کیا تو آپ کے پاکیزہ ہونٹوں کی خوشبو (لعابِ دہن) سے انھیں شفا نصیب ہوگئی۔

[تشریح] اس شعر میں حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے لعابِ دہن سے حاصل ہونے والی عظیم ترین برکتوں میں سے ایک عظیم برکت کا ذکر فرمایا ہے، جس کی تفصیل متعدد کتبِ احادیث میں ملتی ہیں، یہاں صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی تفصیل درج کی جارہی ہے۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالی عنہ صحابیِ رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كان على قد تخلف عن النبى صلى الله عليه وسلم فى خيبر. فكان به رمد . فقال: انا اتخلف عن رسول الله ﷺ فخرج على فلحق بالنبىﷺ فلما كان مساء اللّيلة التى فتحها الله تعالى فى صباحها. قال رسول الله ﷺ : لأعطين الراية أو ليأ خذ الرّاية غداً رجلاً يحبه الله ورسوله او قال يحب الله ورسو له يفتح الله عليه . فأذا نحن بعلى وما نرجوه فقالوا: هذا على فأعطاه رسو ل الله ﷺ ففتح الله عليه.

(الصحیح للبخاری باب مناقب علی رضی اللہ تعالی عنہ ج۱ص: ۵۲۵)

اسی سے متصل اسی باب کی دوسری حدیث میں ہے:

فبصق رسول الله ﷺ فى عينيه فبرأ حتى كان لم يكن فيه وجع .

ترجمہ: جنگِ خیبر کے موقع پر آشوب چشم کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوسکے تھے۔تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

کیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوسکونگا؟ پھر آپ نکلے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا ملے۔ راوی فرماتے ہیں: جس صبح کو خیبر فتح ہوا تھا اس سے پہلے والی شب کو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ کل میں پرچم ایسے شخص کو دونگا جس سے اللہ ورسول محبت کرتے ہیں اور جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اس کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطا فرمائیگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ اچانک ہماری ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی حالانکہ ہمیں ان کے آنے کی امید نہیں تھی۔ لوگوں نے کہا: علی آگئے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن ڈالا تو وہ اس طرح شفایاب ہوگئے گویا کہ انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پرچم عطا فرمایا تو اللہ نے انہیں فتح نصیب فرمائی۔

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اَللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نہ صرف یہ کہ لشکر میں شریک ہوں گے بلکہ انہیں کے ہاتھوں فتح وکامرانی بھی نصیب ہوگی وہیں یہ بھی پتا چلا کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن میں ایسی شفا رکھی ہے جو دنیا کی کسی دوا اور جڑی بوٹی میں نہیں۔

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدے کے اس شعر میں اسی واقعے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

[حلِّ لغات] "رمد"۔ آشوب چشم کا مریض ہونا۔ از سمع۔ "داویت"۔ صیغہ واحد مذکر حاضر از مفاعلت۔ علاج کرنا۔ "لمی"۔ لام کی تینوں حرکتوں کے ساتھ۔ ہونٹ کے اندرونی حصے میں گندم گونی یا سیاہی۔ یہاں ہونٹ مراد ہیں۔

(۲۷) وَسَئَلْتَ رَبَّکَ فِیْ ابْنِ جَابِرٍ بَعْدَ مَا
قَدْ مَاتَ اِبْنَاہُ وَقَدْ أَرْضَاکَا

[ترجمہ] حضرت جابر کے فوت شدہ دونوں بچوں کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب سے درخواست کی تو (اللہ نے دونوں کو زندہ کر کے) آپ کو راضی کر دیا۔

[تشریح] اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار معجزات کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احیاءِ موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنے کا) معجزہ بھی عنایت فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں معجزانہ طور پر کئی مرتبہ مردوں کو زندہ کیا گیا ہے۔ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے امت میں ایسے اولیاء بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے قدموں کی ٹھوکر سے مردے زندہ کئے ہیں۔ چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت جابر کے فوت شدہ بیٹے زندہ ہو گئے:

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جابر کے یہاں مہمان بن کر تشریف لائے۔ انہوں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ ان کے بڑے بیٹے نے بکری کے بچے کے ذبح ہونے کا حال

دیکھ کران کے چھوٹے بیٹے (اپنے چھوٹے بھائی کو) ذبح کرڈالا۔جب ان کی ماں نے جوکہ صحن میں تھیں دیکھا تو دوڑ کر چھت پر آئیں تو بڑے لڑکے نے ڈر کے مارے چھت سے چھلانگ لگادی چنانچہ اس کا بھی انتقال ہوگیا۔پھر یہ دونوں بیٹے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے زندہ ہوگئے۔اس کا ذکر شواہد النبوت میں مفصّل درج ہے۔

(مدارج النبوۃ ج۱ص۳۰۷)

بکری زندہ فرمادی :

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''حجة الله على العالمين فی معجزات سيد المرسلين ،، میں فرماتے ہیں:

ابونعیم بحوالہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہے (یعنی چہرۂ انور پر بھوک کے آثار ظاہر ہیں) لوٹ کر اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے انور کو متغیر دیکھا ہے۔میرا خیال ہے کہ یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ زوجۂ جابر نے کہا: بخدا! اس بکری اور بچے ہوئے توشہ کے علاوہ ہمارے گھر میں کچھ بھی نہیں۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے وہ بکری ذبح کی اور اہلیہ کے پاس موجود غلہ کو پیس کر روٹی تیار کی۔پھر ایک پیالے میں اسے ثرید بنایا اور لیکر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا: جابر اپنی قوم کے لوگوں کو بھی بلا لاؤ! چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد میں اپنی قوم کے لوگوں کو بھی دعوت دے دی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اب انہیں جماعت در جماعت میرے پاس بھیجو! تو ایک جماعت کھا کر چلی جاتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی یہاں تک کہ سب نے کھانا کھالیا اور پیالے میں اتنا ہی ثرید باقی بچ گیا جتنا پہلے تھا۔

کھانے کے دوران حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لوگوں سے فرماتے کہ ثرید کھاؤ لیکن ہڈی نہ توڑنا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ہڈیوں کو پیالے کے وسط میں جمع فرمایا اور ان کے اوپر اپنا دست اقدس رکھ کر کچھ پڑھا جسے میں سن نہ سکا۔ اچانک ایک بکری کان ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی بکری لے لو۔

(حجۃ اللہ علی العالمین ج۱ص:۶۷۵)

مری ہوئی لڑکی لبیک کہتے ہوئے قبر سے باہر آگئی:

حضرت امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

عن الحسن اتی رجل النبی ﷺ فذکر لہ أنّہ طرح ابنۃ لہ فی وادی کذا . فانطلق معہ الی الوادی و ناداھا باسمھا یا فلانۃ! أجیبی باذن اللہ . فخرجت و ھی تقول: لبیک و سعدیک. فقال لھا: ان أبویک قد اسلما فان احببت ان اردّک علیھما . قالت: لاحاجۃ لی فیھما. وجدت اللہ خیرا لی منھما. (الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ج۱ص:۶۱۴)

ترجمہ:حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور عرض کیا کہ حضور میں نے اپنی لڑکی فلاں وادی میں پھینک دی تھی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے ساتھ اس وادی میں تشریف لے گئے اور اس کا نام لے کر پکارا۔اے فلانہ! اللہ کے حکم سے جواب دے۔وہ لبیک وسعدیک کہتی ہوئی قبر سے باہر آ گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

تیرے والدین ایمان لا چکے ہیں اگر تو چاہے تو میں تجھے ان کی طرف لوٹا دوں۔اس نے جواب دیا کہ میں ان کے پاس جانا نہیں چاہتی کیوں کہ میں نے اپنے رب کو ان سے زیادہ شفیق پایا ہے۔

والدینِ کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا مشرف بہ ایمان ہونا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے اظہار کے لئے آپ ہی کی دعا پر آپ کے والدین کریمین کو بطور معجزہ کے زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کر کے انہیں زیورِ ایمان سے آراستہ کرنا درحقیقت آپ کے شرف واعزاز پر دال ہے۔

ائمۂ کرام ومحدثین عظام نے اس مسئلے پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔جو شخص اس پر دلالت کرنے والی حدیثوں کے ضعف کا قائل ہے وہ ضعیف العقیدہ اور اعلیٰ درجے کا جاہل ہے۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت کے اعتراف سے دور بھاگنے والا

ہے اور جنت کو پسِ پشت ڈال کر دوزخ کی جانب رخ کرنے والا ہے۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایمانِ ابوین پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ہم ان کی کتاب "حجة الله علی العالمین ،، سے چند باتیں تلخیص کر کے پیش کرتے ہیں۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی روایت کرتے ہیں:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے لیکر حجون گھاٹی سے گزرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت اشک بار اور غم ناک تھے۔آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رو پڑی۔

پھر آپ سواری سے اتر پڑے اور فرمایا حمیراء! تم یہاں ٹھہرو۔ چنانچہ میں نے اونٹ کے پہلو کے ساتھ ٹیک لگا لی۔تھوڑی ہی دیر گزری کہ آپ شاداں وفرحاں لوٹے اور فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا اور اللہ سے دعا کی کہ میری والدہ کو زندہ فرمائے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ فرمایا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے والدین کریمین کے زندہ کرنے اور ایمان لانے کی حدیث مروی ہے۔فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کریمین کے احیاء کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔(حجۃ اللہ علی العالمین ج ا ص:٦٥٩)

اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے والدین کریمین کے ناجی ہونے کے تعلق سے اسلافِ کرام کے چار مسلک بیان فرمائے ہیں۔تمام مسالک بیان کرنے کی صورت میں گفتگو طویل ہو جائے گی۔لہٰذا موقع کی مناسبت سے صرف تیسرا مسلک بیان کیا جاتا ہے۔جسے تفصیل درکار ہو وہ حجۃ اللہ علی العالمین کا مطالعہ کرے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

تیسرا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوین کریمین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے زندہ کیا یہاں تک کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے۔

اس مسلک کی طرف ائمۂ کرام اور حفاظِ حدیث کی ایک کثیر جماعت میلان رکھتی ہے۔انہوں نے اس حدیث سے استناد کیا جسے بہت سے ائمہ حفاظ مثلاً حافظ ابوبکر خطیب بغدادی، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، حافظ ابوالحفص بن شاہین، حافظ ابوالقاسم سہیلی، امام قرطبی، حافظ محبّ طبری، علامہ ناصر الدین ابن منیر اور فتح الدین بن سید الناس وغیرھم نے نقل کیا۔

امام سہیلی روض الانف کے اوائل میں یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت ورحمت کسی چیز سے عاجز نہیں اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جس فضل سے چاہے مختص کر لے۔اور جو چاہے اپنا انعام واکرام کرے۔ائمۂ حدیث نے اس حدیث کو متاخر ہونے کی وجہ سے مخالفت میں آنے والی حدیثوں کا ناسخ قرار دیا ہے۔لہٰذا اثبات وانکار کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے(نفس مصدر ج اص:۲۶۱)۔

والدینِ کریمین کے ایمان پر ایک مضبوط دلیل:

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

عن عباس ابن عبد المطلب انّه قال :یا رسول الله ! هل نفعت أبا طالب بشيء؟فانه كان يحوطک و يغضب لک .قال صلى الله عليه وسلم:نعم هو فی ضحضاح من نار و لولا انا لكان فی الدرک الاسفل من النار. (الصحیح لمسلم ج:۱ر باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ)

ترجمہ: حضرت عباس بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو بھی کچھ فائدہ پہونچایا؟ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی محبت میں لوگوں سے ناراض ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (نفع پہونچایا) اب وہ دوزخ کے بالائی حصہ میں ہیں۔ اگر میرا وجودِ مسعود نہ ہوتا (یعنی اگر میں ان کی شفاعت نہ کرتا) تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

اسی باب میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أهون أهل النار عذابا أبو طالب وهو منتعل بنعلين يغلى منهما دماغهٗ

ترجمہ: دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ اس کو آگ کی جوتیاں

پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ سبھی جانتے ہیں کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے نہ کہ والد، اور یہ بھی مسلّمات میں سے ہے کہ اولاد پر چچا سے کئی گنا زیادہ والدین کا احسان ہوتا ہے اور ان کا مرتبہ بھی چچا سے بلند ہوتا ہے۔ اگر بالفرض حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مومن نہ ہوتے تو یقیناً انہیں ابو طالب سے کم عذاب ہوتا، لیکن احادیث صریحہ صحیحہ بتا رہی ہیں کہ اہلِ جہنم میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مؤمن تھے نہ کہ کافر۔

اس مقام پر امام اہلِ سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی عمدہ گفتگو فرمائی ہے کہ جس کا جواب نہیں۔ ان کے کلام کا خلاصہ آسان لفظوں میں پیشِ خدمت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کی دلیل ہے، کیوں کہ کفر کے باوجود ابو طالب کے عذاب میں کمی، یا اس کے قربِ نبی کی بنا پر ہے یا اس کی پرورش اور خدمت کی بنا پر۔ اگر حضور کے والدین العیاذ باللہ کافر ہوتے تو ابو طالب کی بہ نسبت عذاب میں کمی کے وہ زیادہ حق دار تھے۔ کیوں کہ چچا کی بہ نسبت والدین کا قرب زیادہ ہے۔

اور اگر ابو طالب کے عذاب میں کمی پرورش اور خدمت کی وجہ سے ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے، کیوں کہ اولاد والدین کا جز اور حصہ ہوتی ہے اور کون سی

خدمت حمل اور وضعِ حمل کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کیا کسی پرورش کرنے والے یا خدمت کرنے والے کا حق والدین کے حق کے برابر ہو سکتا ہے، جن کے حق کو اللہ رب العزت نے اپنے حق کے ساتھ شمار کر کے فرمایا ہے:

﴿اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ﴾ (لقمان:۱۴)

ترجمہ: میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کلمہ پڑھنے کے لئے فرماتے رہے لیکن اسے کلمہ نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا ہے جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھے، حضور کی سیرت اور احوال کو تازہ بہ تازہ دیکھتا رہا، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ اس کے برخلاف والدین کریمین نے نہ ہی زمانۂ نبوت پایا، نہ ان کو دعوتِ اسلام دی گئی، نہ انہوں نے انکار کیا۔

ثابت ہوا کہ ہر لحاظ سے انہیں کا پلہ بھاری ہے۔ لہذا اگر العیاذ باللہ والدین کریمین کافر ہوتے اور قرب اور پرورش کی وجہ سے عذاب کم ہوتا تو سب سے کم عذاب والدین کریمین کو ہوتا۔ حالانکہ یہ بات احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے، کیوں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ سب جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا تو ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین مومن اور مسلمان تھے،، (شمول الاسلام ص: ۱۰۹/ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس قدر جلیل القدر ائمہ کرام کے واضح بیانات اور صریح احادیث کے باوجود

ساری توانائی (معاذالله) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین رضی اللہ عنہما کا کفر ثابت کرنے میں صرف کی جا رہی ہے اور خود ہزاروں کفر بکنے کے باوجود مؤمن و موحّد بنے بیٹھے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالٰی. ھداھم الله سواء الطریق .

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''شمول الاسلام،، کے علاوہ اپنی معرکۃ الآراء تحقیقی کتاب ''المستند المعتمد بناء نجاة الابد،، میں بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوینِ کریمین کے ایمان پر بحث کی ہے اور اس کو دلائلِ قاطعہ وحججِ قاہرہ سے ثابت فرمایا ہے اور اس سلسلے میں حضرت ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا بھرپور رد بھی فرمایا ہے۔ علٰی من یشاء التفصیل الرجوع الیه.

[حلِّ لغات] ''سئلت،، : صیغہ واحد مذکر حاضر از فتح۔ درخواست کرنا۔ مانگنا۔ ''مات،،: صیغہ واحد مذکر غائب از نصر ۔ وفات پانا۔ ''أرضی ،،: صیغہ واحد مذکر غائب از افعال۔ راضی کرنا۔

(۲۸) شَاةٌ مَسِسْتَ لِأُمِّ مَعْبَدٍ الَّتِیْ
نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شَفَا رُقْیَاکَا

[ترجمہ] امّ معبد کے خشک تھنوں والی بکری کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھولیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے وہ بہت زیادہ دودھ دینے لگی۔

[تشریح] کفارِ مکہ نے جب رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، ہر طرح سے پریشان کرنے کے باوجود آپ کو اپنے مشن سے روک نہ سکے تو انہوں نے (معاذ

اللہ) آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ منورہ جانے کا حکم دیا۔ پاک پروردگارِ عالم کی طرف سے ہجرت کا اذن ملنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ مدینے کی جانب روانہ ہوئے تا کہ اس کے بختِ خفتہ کو جگا کر اس غیر معروف بستی کو شہرت وبقائے دوام بخشیں اور یثرب نامی شہر صبحِ قیامت تک کے لئے روشن وتابناک ہو جائے۔

قصۂ حضرتِ امّ معبد:

اسی سفر ہجرت میں ایک بدّو عورت کے پاس سے گزر ہوا، اس کا نام امّ معبد تھا، ان اجنبی راہ رؤں نے اس سے کہا کہ اگر تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے تو اسے قیمت کے عوض فروخت کردو۔ اس نے کہا کہ اگر میرے پاس سامانِ ضیافت ہوتا تو بصد مسرت میں آپ لوگوں کی ضیافت کرتی، لیکن کیا کریں قحط سالی نے ہمیں دانے دانے کا محتاج بنا دیا ہے۔

آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ گوشے میں ایک نحیف وناتواں بوڑھی بکری بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امّ معبد سے کہا کہ یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا: یہ بہت کمزور بوڑھی بکری ہے، ریوڑ کے ساتھ جانہ سکی اس لئے یہیں رہ گئی ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں۔ اس نے کہا: اگر کچھ نکلے تو بصد شوق دوہ سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کا

نام لیکر اس بکری کے خشک تھنوں میں ہاتھ لگایا۔ چنانچہ ان تھنوں سے اتنا دودھ نکلا کہ سارے برتن بھر گئے اور سب لوگ سیراب ہو گئے۔

روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

فدعا بها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فمسح بيده ضرعها و سمى الله تعالىٰ و دعا لها في شاتها فتفاجت عليه و درّت فا جتبرت . فدعا بانآء يربض الرهط فحلب فيه ثجا حتى علاه البهاء ، ثم سقاها حتى رويت و سقىٰ اصحابه حتى رووا و شرب آخرهم حتى أراضوا ثم حلب فيه الثانية علىٰ هٰذه حتى ملأ الانآء ، ثم غادره عندها ثم بايعها وارتحلوا عنها . (مجمع الزوائد ج٦ ص:٥٦)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے منگوا کر بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور امّ معبد کے لئے ان کی بکری میں برکت کی دعا کی، اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اپنے دونوں پیروں کو پھیلا دیا اور خوب کثرت سے دودھ دیا اور تابعِ فرمان ہوگئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا برتن طلب فرمایا جو سب لوگوں کو سیراب کردے، اور اس (برتن) کو دودھ سے اس طرح بھر دیا کہ اس کے اوپر جھاگ آ گئی پھر ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگئیں، پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے، سب سے آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا، پھر اسی برتن کو دوسری بار دودھ دوہ کر بھر دیا اور اسے (بطورِ نشان) ام معبد کے پاس چھوڑا اور ام معبد سے

اسلام پر بیعت لی پھر سب لوگ وہاں سے چل دیئے۔

شام کو اس کا خاوند آیا تو دودھ سے لبریز برتن دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور کہا کہ اے امّ معبد! یہ دودھ کی ندی کہاں سے بہ پڑی؟ گھر میں تو کوئی دودھ والا جانور موجود نہ تھا۔ اس نے کہا کہ بخدا گھر میں شیر دار جانور نہ تھا لیکن ایک بابرکت ہستی تشریف لائی تھی یہ سب اسی کا فیضان ہے پھر امّ معبد نے پورا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ واقعہ سننے اور حلیۂ مبارک جاننے کے بعد اس کے شوہر نے کہا کہ بخدا! یہ وہی شخص ہے جس کی تلاش میں قریش سرپٹ گھوڑا دوڑا رہے ہیں۔

اس وقت امّ معبد نے رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے نظیر حسن و جمال اور بے مثال سیرت و کردار کا جو نقشہ کھینچا تھا اسے سیرت کی مشہور کتاب ''ضیاء النبی،، کے حوالے سے یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ پڑھیں اور محظوظ ہوں۔

قالت :رأيت رجلا ظاهرَ الوضاء ة حسن الخَلق مليحَ الوجه. لم تُعبه ثجلة و لم تزر به صعلة .قسيم وسيم .في عينيه دعج و في أشفاره وطف وفي صوته صهل.أحول أكحل ازج اقرن. في عنقه سطع وفي لحيته كثافة. اذا صمت فعليه الوقار واذا تكلم سما وعلا ه البهاء. حلو المنطق. فصل لا نزر ولاهزر .كا نّ منطقه خرزاتٌ نظم يتحدّرن . ابهٰى الناس وأجملهم من بعيد وأحلاهم و احسنهم من قريب. رَبعة لا تشنوه عين من طول لا تقتحمه عين من قصر. غصن بين غصنين. فهوانضر الثلاثة منظراواحسنهم قد اً. له رفقاء يحفون به وا ن قال استمعوا قوله وان امرتبادروا الى امره. محفود محشود لا عابس ولا

مفنّد (ضیاء النبی ج ۲۔ ۱۷۴/۷۵)

ترجمہ: امّ معبد کہنے لگی میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا، نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بڑا خوب رو آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں۔ پلکیں لانبی تھیں اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم، سرگیں، دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ گردن چمک دار تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پرنور اور بارونق رہتا۔ شیریں گفتار۔ گفتگو واضح ہوتی۔ نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد میانہ تھا نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کے مانند تھے جو سب سے سر سبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے اگر آپ انہیں کچھ حکم دیتے تو وہ فوراً اسے بجالاتے، سب کے مخدوم سب کے محترم نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

[حلِّ لغات] " شاة،،: بکری (جمع) شیاہ۔ " مسست ،،: صیغہ واحد مذکر حاضر از نصر و سمع ۔ چھونا۔ " نشفت، ،: صیغہ واحد مؤنث غائب از ضرب ۔ زمانۂ ولادت کی وجہ سے کبھی تھن کا دودھ سے بھرا اور کبھی خشک ہو جانا۔ " درّت ،،: صیغہ واحد مؤنث غائب از نصر وضرب۔ بہت دودھ دینا۔ " رقی : ،، منتر۔ تعویذ۔ پھونک

(۲۹) وَ دَعَوۡتَ عامَ القَحۡطِ رَبَّک مُعۡلِناً
فانۡهَلَّ قَطۡرُ السُحُبِ حِیۡنَ دُعَاکَا

[ترجمہ] اور قحط سالی کے وقت آپ نے علی الاعلان اپنے رب سے دعا کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کے وقت ہی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

[تشریح] عہدِ رسالت میں جب جزیرۃ العرب کے باشندوں کو قحط کا سامنا ہوتا تو رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بےکس پناہ میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی عرض کرتے اور قحط سالی سے ہونے والی تباہیوں اور بربادیوں کی داستان رو رو کر سناتے اور اس سے نجات دینے کی درخواست کرتے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ رب العزت میں دستِ دعا دراز فرماتے ، ہر طرف سے گھٹائیں اٹھتیں اور موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی۔ کتبِ صحاح میں اس قسم کے متعدد واقعات اَسانیدِ جیدہ کے ساتھ مذکور ہیں۔

اختصار کے پیشِ نظر یہاں مسلم شریف کی صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔

نزولِ بارانِ رحمت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

انّ رجلا دخل المسجد یوم الجمعة من باب کان نحو دار القضاء و رسول الله ﷺ قائماً یخطب . فاستقبل رسول الله ﷺ قائماً ثم قال: یا رسول الله ﷺ هلکت الاموال و انقطعت السبل فادع الله یغیثنا. قال: فرفع رسو ل الله ﷺ یدیه ثم قال اللهم اغثنا! اللهم اغثنا! اللهم اغثنا ! قال انس: ولا والله ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعة وما بیننا وبین سلع من بیت ولادار قال :فطلعت من وراء ه سحابة مثل التر س فلما توسطت السما ء انتشرت ثم امطرت قال فلا والله ما رأینا الشمس سبتا .قال: ثم دخل رجل من ذٰلک الباب فی الجمعة المقبلة و رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قائم یخطب فاستقبله قائمافقال: یا رسول الله !هلکت الأموال وانقطعت السّبل فادع الله یمسکها عنا . قال: فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم یدیه . ثم قال: اللهم حولنا ولا علینا اللهم علٰی الآکام والظراب و بطون الاودیة و منابت الشجر فانقلعت و خرجنا نمشی فی الشمس .(الصحیح لمسلم ج۱ص:۲۹۳/۹۴ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جمعہ کے دن ایک شخص مسجد میں دارالقضاء کے دروازے سے داخل ہوا درآں حالیکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کہنے لگا: یا رسول اللہ! اموال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ بارش نازل فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ بارش نازل فرما! اے اللہ! بارش نازل فرما! اےُ اللہ! بارش نازل فرما! حضرت انس فرماتے ہیں کہ بخدا ہم نے آسمان میں کوئی بادل دیکھا تھا نہ بادل کا ٹکڑا اور ہمارے اور پہاڑی کے درمیان کوئی گھر تھا نہ کوئی محلّہ۔ پھر پہاڑی کے پیچھے سے ڈھال کے برابر ایک بادل اٹھا اور آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا اور بارش ہونے لگی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ بخدا پھر ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا پھر آئندہ جمعہ کو ایک شخص اسی دروازے سے داخل ہوا درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اموال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ بارش کو ہم سے روک لے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا کہ اےُ اللہ ہمارے اردگرد برسا لیکن ہم پر نہ برسا! اے اللہ! ٹیلوں پر، بلندیوں پر، ندیوں پر اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش نازل فرما! حضرت انس کہتے ہیں کہ بارش فوراً بند ہوگئی اور ہم باہر دھوپ میں چلنے لگے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے انس سے پوچھا کیا یہ وہی پہلا شخص ہے،؟ انہوں نے کہا: پتہ نہیں۔

مجدد دین وملت سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا بڑھی ناز سے جب دعائے محمد (ﷺ)
اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا دلہن بن کے نکلی دعائے محمد (ﷺ)

مزید فرماتے ہیں:

وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

[حلِّ لغات] " عام ": سال (جمع) اعوام۔ " قحط ": مصدر از فتح و سمع ۔ بارش کا رک جانا۔ " انهل ": فعلِ ماضی صیغہ واحد مذکر غائب از انھلال بروزن انفعال۔ زوردار آواز کے ساتھ بارش ہونا۔ " سحب ": بادل (واحد) سحاب۔

(۳۰) وَدَعَوْتَ كُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوْا اِلٰى
دَعْوَاكَ طَوْعاً سَامِعِيْنَ نِدَاكَا

[ترجمہ] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری مخلوق کو (اسلام کی) دعوتِ حق دی تو آپ کی ندا سن کر خوشی خوشی برضا ورغبت سبھی آپ کی دعوت کی طرف کھنچتے چلے آئے۔ (یعنی سب نے آپ کی دعوت کی پیروی کی)

[تشریح] س شعر میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت ہر مخلوق کو عام ہے اس خاکدانِ گیتی کا کوئی بھی فرد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے انحراف نہیں کرسکتا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود فرماتے ہیں کہ چند سرکش جناتوں اور انسانوں کے سوا

کائنات کی ہر شئ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اسی لئے آپ کے اشارے سے چاند شق ہوکر دوٹکڑوں میں بٹ گیا، ڈوبا ہوا سورج واپس آگیا،آپ کے بلانے پر درخت دوڑے چلے آئے،آپ کے حکم پر کنکریوں نے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اور جانوروں اور چوپایوں نے آپ سے فریاد کی۔غرض کہ آپ کی سیادت سب کو عام ہے۔عالمِ خلق کا کوئی بھی فرد آپ کی اطاعت سے سبک دوش اور بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اس کی کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے

چاند اشارے کا ہلا، حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا! تیری توانائی کی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادتِ عامہ:

اسی لئے اکابر علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جس کا خدا خالق ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔حتّٰی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزشتہ جملہ انبیائے کرام ومرسلینِ عظام کے بھی رسول ہیں اور انبیاء کے واسطے سے ان کی امت کے بھی رسول ہیں۔اس کی شہادت قرآن مقدس دے رہا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ . قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِىْ قَالُوْا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ . فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (آل عمران ۸۱۔۸۲)

ترجمہ: اور یاد کروائے محبوب! جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس آئے وہ رسول جو تمہاری کتاب کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اسکی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب انبیاء نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں اب جو اس کے بعد پھریں گے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی بنا پر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو ان موسٰی کان حیا ما وسعہ الا ان یتبعنی

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ قربِ قیامت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو حضور ہی کے امتی بن کر تشریف لائیں گے، حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور حضور ہی کے نائب اور امتی حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

مجدّدِ اسلام امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عقیدہ کی نہایت شاندار تحقیق اپنے رسالہ "**تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین**" میں فرمائی ہے جسے تفصیل و تحقیق درکار ہو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔ **لانہ لا یجد فی غیرھا ما فیھا من تحقیق وتدقیق وبسط فی عموم سیا دتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لجمیع**

الخلق.

[حلِّ لغات]:"انقاد وا،،: فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب از انفعال۔پیروی کرنا۔ پیچھے پیچھے چلنا۔"طوعا،،: مصدر از نصر۔فرمانبرداری کرنا۔کسی کام کو بطِیب خاطر کرنا۔

(۳۱) وَخَفَضۡتَ دِیۡنَ الۡکُفۡرِ یَا عَلَمَ الۡهُدٰی
وَرَفَعۡتَ دِیۡنَکَ فَاسۡتَقَامَ هُدَاکَا

[ترجمہ] اےہدایت کے مینار! آپ نے ملّتِ کفر کو پست اور اپنے دین کو سربلند فرمادیا تو آپ کی ہدایت مستحکم ہوگئی۔

[تشریح] قصیدے کے اس عظیم الشان شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ:

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس عالمِ فانی میں آپ کے تشریف لانے سے پہلے انسانی دنیا ظلم و جہالت کے بھاری بھرکم بوجھ تلے دبی ہوئی تھی، کفروشرک، ہوا و ہوس، ظلم وزیادتی، باطل خیالات ونظریات، خاندانی برے رسم و رواج، غیر اخلاقی سماجی بندھن اور ضلالت وگمراہی کے گھٹاٹوپ وتاریک اندھیرے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔کفروشرک کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ تھا۔طاغوتی اور شیطانی قوّتیں بتوں کی خدائی اور معبودانِ باطلہ کی فرمانروائی کے لئے اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔

جس پیشانی کو خالقِ کائنات اللہ رب العزّت کی بارگاہ میں جھکنا چاہیے، پتھر کے تراشیدہ ہزاروں اور لاکھوں بتوں کے سامنے خم ہورہی تھی، خوگرانِ پیکرِ محسوس بتوں کے

قدموں میں ڈھیر ہو رہے تھے۔سب کی زبانوں سے " ما وجدنا علیه آبآء نا"، کا نعرہ بلند ہو رہا تھا۔

ایسے تاریک اور پر آشوب دور میں جب آپ کی ولادت ہوئی تو تاریخِ انسانی کے عظیم انقلاب کا آغاز ہوا، ایوانِ کفر وشرک میں زلزلہ آ گیا، باطل نفسانی اور شیطانی قوتوں میں کھلبلی مچ گئی، کافروں کے مجبور و ناتواں خدا منہ کے بل گر پڑے، جابر حکمرانوں کے تخت الٹ دئے گئے، وادیٔ کفر میں بھٹکنے والی انسانیت کو آپ نے توحید کا درس دیا، اس میں نورِ ایمان و یقین پیدا کیا اور اپنی ۶۳ سالہ کوشش، محنت اور دعوتی سرگرمی سے کفر کو پست کر کے اسلام کو سر بلند فرما دیا۔

آپ کی بعثت ہوئی عالم ہوا حق آشنا آپ نے بتلایا کہ اللہ ہی معبود ہے

[حلّ لغات] " خفضت"،: صیغہ واحد مذکر حاضر از ضرب۔پست کرنا۔نیچے کر دینا۔" دین "،: (جمع) ادیان۔مذہب۔" علم "،: (جمع) اعلام۔علامت۔نشان۔جھنڈا۔قوم کا سردار۔" رفعت "،: صیغہ واحد مذکر حاضر از فتح۔بلند کرنا۔" استقام"،: از استفعال مستحکم ہونا۔درست ہونا۔سیدھا ہونا۔

(۳۲) أَعْدَاکَ عَادُوا فِیْ الْقَلِیْبِ بِجَهْلِهِمْ
صَرْعٰی وَقَدْ حُرِمُوْا الرِّضٰی بِجَفَاکَا

[ترجمہ] یا رسول اللہ! آپ کے دشمن اپنی جہالت و نادانی کے سبب پچھڑ کر کنویں میں جا پڑے اور آپ سے بے وفائی (اعراض) کرنے کے سبب رضائے الٰہی سے محروم ہو گئے۔

[تشریح] سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کو ملنے والی فتح ونصرت اور کافروں کے حصّے میں آنے والی شکست وریخت کو بیان فرمایا ہے۔

چوں کہ اس شعر میں غزوۂ بدر کا تذکرہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے متعلق کچھ اہم امور ذکر کردیئے جائیں۔

غزوۂ بدر ۱۷ر رمضان ۲ھ میں واقع ہوا۔ اس کو غزوۂ بدرِ کبریٰ اور بدرِ عظمیٰ بھی کہتے ہیں دراصل بدر ایک مشہور بستی کا نام ہے۔ بدر بن مخلد بن نصر بن کنانہ نامی ایک شخص نے اس مقام پر قیام کیا تھا اسی کی نسبت سے اس مقام کو بدر کہا جانے لگا۔ غزوۂ بدر حق وباطل کا پہلا معرکہ ہے۔ اسی سے دین کو عزت وشوکت ملی اور اسی کے بعد اسلام کا چہرہ روشن وتابناک ہوا۔ قرآن مقدس میں اسے "یوم الفرقان،، کے نام سے یاد کیا گیا ہے کیوں کہ اسی دن حق وباطل میں فرق ظاہر ہوا۔ فرزندانِ توحید کی مٹھی بھر فوج نے قلّتِ اسباب کے باوجود کافروں اور مشرکوں کو روندکر رکھ دیا اور ان کے غرور وتکبر کو خاک میں ملا دیا، ان کے جاہ وجلال کو پامال کر کے اسلام کو سرخرو کردیا اور اندھوں بہروں نے بھی جان لیا کہ حق کا علم بردار کون ہے اور باطل کا نقیب کون؟

مقتولینِ بدر کا انجام:

جنگِ بدر میں مارے گئے کافروں کی تعداد ستر تھی۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے چوبیس کے بارے میں حکم فرمایا کہ انہیں مقامِ بدر میں واقع (قلیب نامی) ایک کنویں میں پھینک دیا جائے۔ یہ کنواں نجاست وغلاظت کا منبع تھا۔ لوگ اس میں

مرداروغیرہ پھینک دیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب دشمن پر غلبہ حاصل ہوجاتا تو آپ مزید تین روز قیام فرماتے تھے۔ میدان بدر میں بھی آپ نے تین روز قیام فرمایا، تیسرے روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے ایک دراز گوش بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے، صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی ہمراہ ہوگئی، صحابۂ کرام آپس میں گفتگو کررہے تھے کہ شاید حضور کسی خاص کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کنویں کے پاس تشریف لائے جس میں مشرکین کی لاشوں کو پھینکا گیا تھا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک (کافر) کا نام لے کر پکارا۔ اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! بعض روایتوں میں نام کی صراحت بھی آئی ہے کہ آپ پکارتے تھے یا عتبہ بن ربیع! یا شیبہ بن ربیع! یا ابا جہل بن ہشام! اب جب کہ تم پردے میں ہوگئے ہو اور خدا کا عذاب دیکھ چکے ہو اور اب آرزو کرتے ہو کہ کاش اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرلیتے۔ پھر فرمایا: کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پالیا ہے جو حق تعالیٰ نے تم سے کیا تھا؟ (الصحیح للبخاری ج ۲۔ ابواب غزوۃ البدر ص: ۵۷۳۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص: ۱۳۹)

[حلّ لغات] "اعداء": (واحد) عدوّ۔ دشمن۔ ضرورت شعری کی وجہ سے ہمزہ ساقط ہوگیا۔ "عادوا": صیغہ جمع مذکر غائب از نصر۔ دوبارہ کرنا۔ یہاں پر عادوا

۔صاروا کے معنی میں ہے۔معنی ہے، ہو جانا۔"قلیب،،: کنواں۔پرانا کنواں۔مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے(جمع) قُـلـب۔ أقـلبة۔"صـرعـیٰ،،:زمین پر پچھاڑے ہوئے۔(واحد)صریع۔از فتح ۔زمین پر گرادینا۔"حرِموا،،:۔فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر غائب از ضـرب و سـمع ۔محروم کردیئے گئے۔"جـفـا،،:مصدر از جـفـا یـجـفـو جفوًا و جفًا۔اعراض کرنا۔بدسلوکی کے ساتھ پیش آنا۔

(۳۳) فِـیْ یَـوْمِ بَـدْرٍ قَـدْ أَتَتْکَ مَلاَئِکٌ
مِنْ عِـنْـدِ رَبِّکَ قَـاتَلَتْ أَ عْدَا کَا

[ترجمہ] غزوۂ بدر کے دن رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرشتوں نے آکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے دشمنوں سے جنگ کی۔

[تشریح] گزشتہ شعر کی تشریح میں گزرا کہ غزوۂ بدر ۱۷رمضان المبارک ۲ھ میں واقع ہوا۔اس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳تھی۔ان کے ساتھ دو گھوڑے، چھ زرہیں، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔جب کہ کفّار کی تعداد ۹۰۰ سے بھی زائد تھی۔ان کے پاس کثیر سامانِ حرب بھی تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے اطمینانِ قلب، ان کے صبر و استقلال اور استقامت و پامردی کو بڑھانے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وشوکت اور عظمت و بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں ملائکہ(فرشتوں) کو نازل فرمایا۔

نزولِ ملائکہ:

حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم شریف کتاب الجہاد میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

لما کان یوم بدر نظر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی المشرکین وهم ألف و أصحابه ثلثة مأة و تسعة عشر رجلا فاستقبل نبی الله ﷺ القبلة ثم مدّ یدیه فجعل یهتف بربه اللهم أنجز لی ماوعدتّنی. اللهم آت ما وعدتنی. اللهم ان تهلک هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض. فما زال یهتف بربه مادًّا یدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداء ه عن منکبیه فأتاه أبوبکر فأخذ رداء ه فألقاه علی منکبیه ثم الزمه من ورآءه و قال: یا نبی الله! کفاک مناشد تک ربک فانه سینجزلک ما وعدک فنزل الله عزوجل ' اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکة مُردفین، أمدّه الله بالملٰئکة (الصحیح لمسلم ج۲/ص:۹۳)

ترجمہ: غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپکے ساتھ تین سوانیس مرد تھے (۳۱۳ کی روایتیں بھی ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر بآواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما، اے اللہ! اہل اسلام کی یہ (مٹھی بھر) جماعت اگر ہلاک ہوگئی تو پھر

روئے زمیں پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔آپ ہاتھ پھیلا کر مسلسل دعا کرتے رہے حتی کہ آپ کے شانوں سے چادرِ مبارک گر گئی۔حضرت ابوبکر آپ کے پاس آئے اور چادر اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈالی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور کہنے لگے: یا نبی اللہ! اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے۔آپ کا رب آپ سے کئے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائیگا ۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی (ترجمہ) جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔ میں لگا تار ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپکی مدد فرمائی۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے نازل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا کہ نہیں ۔(چونکہ اس کے بعد قتالِ ملائکہ کا ذکر ہے اس لئے) صحیح مسلم کی اس صریح حدیث اور دیگر آثار و احادیث کے پیش نظر جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔اس موقف کی تائید مندرجہ ذیل نصوص سے ہو رہی ہے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے شریکِ جنگ ہونے پر دلائل:

حضرت امام مسلم بن حجاج حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

بینما رجل من المسلمین یو مئذ یشتد فی اثر رجل من المشر کین امامہ اذ سمع ضربۃ با لسوط فوقہ و صوت الفارس فوقہ یقول: أقدم حیزوم. فنظر الیٰ المشرک امامہ فخر مستلقیا. فنظر الیہ فاذا ھو قد خطم

انفہ و شق وجھہ کضربۃ السوط فاخضر ذٰلک اجمع فجآء الانصاری فحدث ذٰلک رسول اللہ ﷺ فقال: صدقت. ذٰلک من مدد السمآء الثالثۃ ... (الصحیح لمسلم ج۲ص:۹۳)

ترجمہ: بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، جو کہ اس سے آگے تھا۔ اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہ کہہ رہا تھا: ''اے حیزوم آگے بڑھ،، (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا، اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک میں چوٹ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوڑے سے اس کا چہرہ پھٹ گیا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

أجمع اھل التفسیر والسیر أنّ اللّٰہ تعالٰی أنزل الملٰئکۃ یوم بدر و أنھم قاتلوا الکفار . قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما :لم تقاتل الملٰئکۃ سوی یوم بدر و فیما سواہ کانوا عددا و مددالا یقاتلون ولا یضربون و ھٰذا قول الأکثرین. (التفسیر الکبیر ج۴ص:۲۳۳)

ترجمہ: اہلِ تفسیر و سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کے دن

فرشتوں کو نازل فرمایا اور انہوں نے کافروں سے جہاد بھی کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: فرشتوں نے جنگِ بدر کے علاوہ کسی جنگ میں قتال نہیں کیا۔ باقی غزوات میں فرشتے عددی طاقت وقوت کے اظہار اور مدد کے لئے نازل کئے گئے تھے، لیکن انہوں نے عملی طور پر قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، یہی جمہور کا قول ہے۔

اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کو تقویت اور بشارت دینے کے لئے تھا۔ ان حضرات کے دلائل ذیل میں درج ہیں:

فرشتوں کے جنگ میں شریک نہ ہونے پر دلائل:

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں فرشتوں کے نازل کرنے کا ذکر سورۂ آل عمران اور سورۂ انفال میں ہے اور دونوں جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾

ترجمہ: یعنی اللہ تعالی نے صرف تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے اور تمہیں خوش خبری دینے کے لئے فرشتوں کو نازل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نزول فقط مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لئے ہوا۔

منکرین قتال کے دلائل پیش کرتے ہوئے حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

و اما أبو بكر الاصم فانه أنكر ذلك أشد انكار و أحتج عليه بوجوه .

الحجة الاولٰی .انّ الملک الواحد یکفی فی اھلاک الأرض و من المشھور انّ جبریل علیه السلام أدخل جناحه تحت المدائن الأربع لقوم لوط و بلغ جناحه الٰی الأرض السابعة ثم رفعها الٰی السمآء و قلب عالیھا سافلھا فاذ حضر ھو یوم بدر فأیّ حاجة الٰی مقاتلة الناس مع الکفار ؟ ثم بتقدیر حضوره فأیّ فائدة فی ارسال الملٰئکة ؟

الحجة الثانیة .أنّ اکابر الکفار کانوا مشھورین و کل واحد منھم مقابله من الصحابة معلوم و اذا کان کذٰلک امتنع اسناد قتله الٰی الملٰئکة .

الحجة الثالثة.أنّ ھٰؤلآء الملٰئکة الذین نزلوا، اما أن یقال : أنھم کانوا أجساما کثیفة أو لطیفة . فان کان الاوّل وجب أن یراھم الکل و أن تکون رؤیتھم کرؤیة غیرھم و معلوم أنّ الأمر ما کان کذٰلک .و ان کان اجساما لطیفة دقیقة مثل الھوآء لم یکن فیه صلابة و قوة و یمتنع کونھم راکبین علٰی الخیول و کل ذٰلک مما ترونه (التفسیر الکبیر ج۴ص۳۴/۲۳۳)

ترجمہ:لیکن ابو بکر اصم نے فرشتوں کے جنگ میں حصہ لینے کا بڑی شدت سے انکار کیا ہے،اوراپنے اس موقف پرانہوں نے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

پہلی دلیل ۔تمام روئے زمین کوتباہ و برباد کرنے کے لئے ایک فرشتہ ہی کافی ہےاور یہ مشہور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے ایک پر سے مدائن کی سرزمین کوتحت الثریٰ سے لیکر آسمان تک اٹھایا اور پھراس کو پلٹ کر پھینک دیا اورقومِ لوط ہلاک ہوگئی ،تو جب حضرت

جبریل علیہ السلام جنگِ بدر میں حاضر ہوئے تو انہیں کافروں سے جنگ کرنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟

دوسری دلیل۔ بڑے بڑے کفار مشہور تھے اور ان کے مقابلے میں آنے والے صحابہ بھی معلوم ہیں (یعنی یہ معلوم ہے کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے) جب معاملہ یوں ہے تو قتل کی نسبت فرشتوں کی جانب کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

تیسری دلیل۔ جو فرشتے جنگِ بدر میں نازل ہوئے یا تو ان کے جسم کثیف تھے یا لطیف۔ اگر وہ جسمِ کثیف رکھتے تھے تو ضروری تھا کہ دوسروں کی طرح ہر ایک انہیں بھی دیکھتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اور اگر ان کے اجسام ہوا کے مانند لطیف و دقیق تھے کہ ان میں بالکل سختی و صلابت نہ ہو تو ان کے لئے گھوڑوں پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ (تو انہوں نے جنگ میں حصہ کیسے لیا)

مانعین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد امام رازی فرماتے ہیں:

واعلم أن هٰذه الشبهة انما يليق بمن ينكر القرآن والنبوة فاما من يقرّهما فلا يليق به شئ من هٰذه الكلمات ، فما كان يليق بأبى بكر الاصم انكار هٰذه الأشيآء مع أن نص القرآن ناطق بها وورودها فى الأخبار قريب من التواتر .....والشبهة المذكورة اذا قابلناها بكمال قدرة الله زالت و طاحت فانه تعالٰى يفعل ما يشآء لكونه قادرا علٰى جميع الممكنات ويحكم علٰى ما يريد لكونه منزها عن الحاجات. (التفسیر الکبیر ج ۴ ص: ۲۳۴)

ترجمہ: اس قسم کے شبہات وہی پیش کرسکتا ہے جو قرآنِ مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو قرآنِ کریم و احادیث مبارکہ پر ایمان و یقین رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں۔

لہٰذا ابوبکر اصم کے لائق نہیں کہ وہ فرشتوں کے قتال کا انکار کریں جب کہ قرآن پاک میں فرشتوں کی مدد کا ذکر موجود ہے۔ اور فرشتوں کے قتال کرنے سے متعلق حدیثیں تواتر تک پہونچتی ہیں۔ ابوبکر کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مقابلے میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ ھباءً منثورًا ہوجاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے کیوں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ اُن محققین کے ساتھ ہیں جو قتالِ ملائکہ کے قائل ہیں اسی لئے قصیدہ کے شعرِ مذکور میں فرمایا: یارسول اللہ! جنگِ بدر میں من جانب اللہ فرشتوں نے آکر آپ کے دشمنوں سے جنگ کی۔

امامِ اہلِ سنّت سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں:

جاں نثارانِ بدر و احد پر درود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

[حلِّ لغات] "ملائك،،: ملك کی جمع ہے۔ ملك دراصل مألك تھا۔ برائے تخفیف ہمزہ کو حذف کردیا ملك ہوگیا۔ امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مألك میں قلب واقع ہوا ہے، فاء کلمہ اور عین کلمہ کو ایک دوسرے کے مقام پر رکھ دیا تو ملئك

ہوا، پھر تخفیفاً ہمزہ حذف کردیا ملک ہوگیا۔ یہ الك یـألك بمعنیٰ ''پیغام پہونچانا،، سے ماخوذ ہے۔ کبھی وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے والی تاءلگاکر ''ملائکۃ،، بولتے ہیں۔ یہی فصیح ہے اور قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ ''قاتلتْ،،: صیغہ واحد مؤنث غائب از مفاعلۃ۔ قتال کرنا۔ جہاد کرنا۔

(۳۴) وَالْفَتْحُ جَائَکَ یَوْمَ فَتْحِکَ مَکَّۃَ
وَالنَّصْرُ فِيْ الأَحْزَابِ قَدْ وَافَاکَا

[ترجمہ] فتحِ مکہ کے دن فتح ونصرت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے قدم چومے اور غزوۂ اُحزاب میں بھی کامیابی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کے ہم رکاب رہی۔

[تشریح] اس شعر میں صاحبِ قصیدہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فتح ونصرت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمالِ شجاعت کو بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر غزوہ میں کافروں اور مشرکوں سے برسرِ پیکار رہے جس کے نتیجہ میں ہر معرکہ آپ نے سر کیا اور ہر جنگ میں فتح ونصرت نے آپ کی قدم بوسی کی۔

فتحِ مکۂ مکرمہ:

مکۂ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہوا، اس تاریخ ساز فتح کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فتح مندی سے سرفراز فرمایا۔ لشکرِ اسلام کے ذریعہ اپنے گھر کو مشرکین کے باطل خداؤں سے پاک کرکے جائے امن بنادیا۔

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے کیوں کہ اکناف واطراف کے تمام عرب اس انتظار میں تھے کہ اگر سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئیں گے اور بلدِ معظم اور بیتِ مکرم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ واقتدار میں آجائے گا تو ہم بھی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

لہذا فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ایک نیا انقلاب برپا ہوا، کفر کی تاریکیاں چھنٹ گئیں، ہر کہہ ومہ پر حق آشکارا ہو گیا اور لوگ دیوانہ وار اسلام میں داخل ہونے لگے۔

رب تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس کی سورۂ نصر میں فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا. فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾ (سورۂ نصر پارہ/۳۰).

ترجمہ: جس وقت اللہ کی نصرت وفتح آجائے اور آپ لوگوں کو جوق در جوق مذہب اسلام میں داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فتحِ مکہ کے اہم واقعات مثلاً اُس کا پس منظر، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جذبۂ فدویت وجاں نثاری، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا وبخشش اور جود وسخاوت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر کے مظاہر کی معلومات وتفصیلات کے لئے کتب تاریخ وسیر کا مطالعہ کریں! یہ مختصر رسالہ ان تمام تفصیلات کا متحمل نہیں۔

غزوۂ اُحزاب:

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ احزاب کا واقعہ پیش آیا۔ اسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ احزاب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ''حزب،، گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں، چونکہ اس جنگ میں کفار کی تمام جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں سے لڑی تھیں اس مناسبت سے اسے احزاب کہا جاتا ہے۔ اور چوں کہ اس میں مسلمانوں نے شہر کے باہر نکل کر شامی جانب خندقیں کھودی تھیں اس لئے اسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن کئے جانے کے بعد خیبر پہونچے تو انہوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے اسکیم بنائی اور اس کے سردار مکہ پہونچ کر سردار قریش سے بولے کہ ہم دونوں مل کر مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔

کفارِ مکہ تو مسلمانوں سے پہلے ہی خار کھائے بیٹھے تھے فوراً تیار ہو گئے۔ قبیلۂ غطفان، بنو اسد، بنو سلیم، بنو سعد اور دیگر قبائل بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور اس طرح دس ہزار کا لشکرِ جرّار تیار ہو گیا اور ابو سفیان کو لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا اور کافروں کا یہ ریلہ مدینہ کی طرف چل پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی نے یہ رائے دی کہ کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے، جنگ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک محفوظ مقام پر لشکر جمع کر کے اس کے چاروں طرف

خندقیں کھود لی جائیں۔ یہ رائے سب نے پسند کی ، مدینہ کے تین جانب مکانات تھے اور نخلستان کا سلسلہ بھی کافی دور تک پھیلا ہوا تھا صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا۔ اسی جانب سے حملے کا خدشہ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کا انتخاب کر کے مسلمانوں کو وہاں جمع کیا اور اس کے ارد گرد خندقیں کھودنے کا حکم دے دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ مل کر خندقیں کھودیں۔ بیس دن میں تین ہزار نفوسِ قدسیہ کے مقدس ہاتھوں سے یہ خندقیں تیار ہو گئیں۔

جب دس ہزار کے لشکرِ جرار نے مدینہ منورہ کو محاصرہ میں لیا تو مدینہ کی سرزمین دہل گئی، متحدہ کفار کے اس حملے کی منظر کشی رب تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا . هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْداً﴾ (احزاب ۱۰۔۹)

ترجمہ: جب دشمن کا لشکر اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ دوڑا جب مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پتھرانے لگیں اور کلیجے منھ کو آنے لگے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ بری طرح دہل گئے تھے۔

تقریباً ایک ماہ کا محاصرہ اس قدر سختی سے قائم رہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو کئی کئی دن فاقے کرنے پڑے۔ لیکن ان کے پائے

استقلال میں جنبش نہ آئی۔مشرکین ہر طرف سے پتھر اور تیروں کا مینہ برساتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اور خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں۔

جب اس آزمائش میں مسلمان کھرے اترے تو اللہ تعالی نے ایک زوردار طوفان بھیجا جس سے ان کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، کھانے کی دیگچیاں الٹ گئیں اور لشکرِ کفار میں زبردست افراتفری پھیل گئی۔اس زبردست آندھی نے مخالفین کو بھاگنے پر مجبور کردیا اور مدینہ ان کے شر و فساد سے محفوظ ہوگیا۔

اس غزوہ میں رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سے معجزات صادر ہوئے۔جسے ان معجزات کو پڑھنا اور صحابۂ کرام کی جاں نثاری اور شجاعت و بہادری کی داستان کو جاننا ہو تو وہ کتب سیر مثلاً "مدارج النبوۃ، معارج النبوۃ، حجۃ اللہ علی العالمین اور شرح المواہب اللدنیۃ وغیرہا کا مطالعہ کرے۔

[حلِّ لغات] "جاء": صیغہ واحد مذکر غائب از ضرب بمعنیٰ آنا۔"وافی": صیغہ واحد مذکر غائب از مفاعلہ بمعنیٰ پورا حق دینا۔اچانک آنا۔

(۳۵) هُوْدٌ وَّيُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا
وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَا

[ترجمہ] حضرت ہود اور حضرت یونس علیہما الصلوۃ والسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے حسن و جمال سے آراستہ ہوئے اور حسنِ یوسف علیہ الصلوۃ والسلام بھی آپ ہی کے عظیم المرتبت نور کا پرتو ہے۔

[تشریح] گزشتہ اشعار کی تشریح میں گزرا کہ جس کسی کو جو بھی نعمتیں ملیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے ہی سے ملیں۔ انبیائے کرام بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں ہیں ،انھیں حسن و جمال کی جو بھی رعنائیاں ملیں آپ ہی کے صدقے میں ملیں۔ حضرت ہود اور حضرت یونس علیھما السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر آپ ہی کے حسن و جمال کے پرتو ہیں اور حسنِ یوسف آپ ہی کے نورانی چہرہ کا صدقہ ہے۔

جسدِ اطہر کی جمال آرائیاں:

اللہ تبارک وتعالی نے اپنی سنت جاریہ کے مطابق اپنے ہر پیغمبر و رسول کو جملہ عیوب ونقائص سے منزہ پیدا فرمایا ہے، تاکہ ان کا کوئی عیب کسی کے لئے بھی قبولِ حق سے مانع نہ ہو۔ اس کا کوئی بھی پیغمبر (معاذ اللہ) لنگڑا ،لولا ،اندھا اور بدصورت یا قبیح المنظر نہیں آیا۔ یوں تو تمام انبیائے کرام خوب رو اور فصیح اللسان بنا کر بھیجے گئے ،لیکن حضور خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فصاحتِ لسان اور خوب روئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ہر نبی خوبصورت چہرہ والا اور دلکش آواز والا بنا کر ہی مبعوث کیا گیا ،لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور آواز سب سے زیادہ دل کش تھی۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں — اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عالم گیر اور از ازل تا ابد تھی۔ اس لئے حسن کی ساری رعنائیاں اور جمال وزیبائی کی جملہ دلربائیاں اس ذات اقدس میں جمع کر دی گئی تھیں، تاکہ حسن کی کسی ادا کا متوالا اس کی بارگاہِ جمال میں آئے تو سیر اور شاد کام ہو کر واپس جائے۔

زمانے کے بدلنے سے حسن وجمال کے معیار بدلتے رہے، حالات کے تغیّر کے ساتھ پسند وناپسند کے پیمانوں میں تبدیلیاں آتی رہیں، لیکن یہ بارگاہ حسن وجمال کی وہ بارگاہ ہے کہ یہاں جو بھی حاضر ہوگا جب بھی حاضر ہوگا اس حسین چہرہ کے دیدار کی ایک ہی جھلک سے حسرت زدہ دل کی ہر حسرت پوری ہو جائے گی، کسی کو مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ چند حدیثوں کے ذریعہ حضور کے حسن وجمال کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن البرآء قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھاً۔ (الصحیح للبخاری ج ۱ ص:۵۰۴)

ترجمہ: حضور برآء بن عاذب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رخِ انور سب سے خوب صورت تھا۔

(۲) عن جابر ابن سمرۃ، قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ اضحیان و علیہ حلۃ حمرآء۔ فجعلت انظر الیہ و الیٰ القمر فلھو احسن عندی من القمر۔ (السنن للترمذی ص:۵۶۸)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آسمان

پر ابر کا نام ونشان تک نہ تھا (چاند اپنی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا) اس وقت حضور کے جسمِ اقدس پر ایک سرخ دھاری دار یمنی چادر تھی۔ میں کبھی حضور کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ (بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ) حضور چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ خوب صورت ہیں۔

(۳) عن کعب ابن مالک قال: سلمت علی النبی صلی الله علیه وسلم وهو یبرق وجهه من السرور و کان رسول الله اذا سرّ استنار وجهه حتی کأنه قطعة قمر. (الصحیح للبخاری ج ۱ ص: ۵۰۴)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور کی بارگاہ میں آ کر سلام پیش کیا۔ اس وقت حضور کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ اور حضور کی شان یہ تھی کہ جب بھی آپ خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک ایسا روشن وتابناک ہوتا کہ دیکھنے والا سمجھتا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

(۴) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: ما رأیت شیئاً احسن من رسول الله ﷺ کانّ الشمس تجری فی وجهه. (المسند للامام احمد ج ۲ ص: ۳۸۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ حسن و جمالِ مصطفیٰ کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے حضور سے زیادہ حسین وجمیل کسی اور کو نہیں پایا۔ آپ کے رخِ زیبا کا دیدار کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ آپ کے رخِ انور میں روشن آفتاب گردش کر رہا ہے۔

(۵) عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما. لم یکن لرسول الله ﷺ ظل . و لم یقم مع شمس الا غلب ضوءه ضوء الشمس و لم یقم مع سراج

الّا غلب ضوءہ علیٰ ضوء السراج. (الجزأالمفقود ص:۵۶۔الخصائص الکبریٰ ج۱ص:۱۶۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ جب بھی آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو آپ کے نور کی تابانی سورج کی روشنی پر غالب آجاتی اور جب بھی آپ چراغ کے ساتھ کھڑے ہوتے تو آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آجاتی تھی۔

جس کے آگے چراغِ قمر جھلملائے　　ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
چاند سے منہ پہ روشن درخشاں درود　　نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو:

اللہ ربُّ العزت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی حسن و جمال کو مخفی رکھا ،کیوں کہ انسانی آنکھ حسن و جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔اس لئے اہلِ عشق ومحبت فرماتے ہیں کہ پروردگارِ عالم نے تاجدارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی حسن کا مشاہدہ کرنے والی آنکھ ہی پیدا نہیں فرمائی۔ یہ محض دعویٰ نہیں ، بلکہ متعدد احادیثِ کریمہ اس پر دلالت کررہی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام زرقانی علیہ الرحمہ نے شرح المواہب میں حضرت امام قرطبی علیہ الرحمہ کا یہ ایمان افروز قول نقل فرمایا ہے:

لم يظهر لنا تمام حسنه ﷺ لأنه لو ظهر لنا تمام حسنه لما أطاقت

أعيننا رؤيته ﷺ (شرح المواہب اللدنیہ ج۵ص:۲۴۱)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حسن و جمال ہم پر مکمل طور پر ظاہر نہیں کیا گیا، کیوں کہ اگر آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حسن و جمال ہم پر مکمل طور پر ظاہر کر دیا جاتا تو ہماری آنکھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلووں کا دیدار کرنے سے قاصر رہتیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود وسلام کے گجرے اور عقیدت ومحبت کے گلدستے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے عاشقِ صادق صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور کا دیدار کرتے تو آپ کے حسن وجمال کی تاب نہ لاکر اپنی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ لیتے۔

تیرہویں صدی کے امام ومحقق حضرت علامہ یوسف نبہانی حضرت حسان بن ثابت کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لمّا نظرت الیٰ أنواره ﷺ وضعت كفی علیٰ عینی خوفاً من ذهابِ بصری (جواہر البحار ج۲ص:۴۵۰)

ترجمہ: میں نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیا تو میں اپنی ہتھیلی اپنی آنکھوں پر رکھ لی اس خوف سے کہ کہیں (حضور کے حسن وجمال کی تابانیوں سے) میری آنکھوں کی روشنی ہی نہ چلی جائے۔

حضرت امام محمد الفاسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخ ابو محمد عبد الجلیل قصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:، وہ فرماتے ہیں:

و حسن یوسف علیہ السلام و غیرہ جزأ من حسنہ. لأنہ علیٰ صورۃ اسمہ خلق. ولولا ان اللہ تبارک و تعالیٰ ستر جمال صورۃ محمد بالھیبۃ و الوقار واعمیٰ عنہ آخرین لما استطاع احد النظر الیہ بھٰذہ الأبصار الدنیاویۃ الضعیفۃ. (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص:۳۹۴بحوالہ شمائل مصطفیٰ ص:۳۹)

ترجمہ:حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر حسینانِ عالم کا حسن و جمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں محض ایک جزء کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کی صورت پر پیدا کئے گئے ہیں۔اگر اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ کے حسن کو ہیبت ووقار کے پردوں سے نہ ڈھانپا ہوتا اور کفار ومشرکین کو آپ کے دیدار سے اندھا نہ کیا گیا ہوتا تو کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان دنیاوی کمزور آنکھوں سے نہ دیکھ سکتا۔

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرِ انور سے لیکر قدمِ مبارک تک نور ہی نور تھے،آپ کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے والے کی آنکھیں چندھیا جاتیں،آپ کا جسمِ اقدس چاند و سورج کی طرح تابناک تھا،اگر آپ کے حسن کے جلوے بشری لباس میں مستور نہ ہوتے تو روئے منور کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنا ناممکن ہوجاتا۔(مدارج النبوۃ ج۱ص:۱۳۷)

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ

یارسول اللہ! حضرت ہود اور حضرت یونس علیہما الصلوۃ والسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے حسن و جمال سے آراستہ ہوئے اور حسنِ یوسف علیہ الصلوۃ والسلام بھی آپ ہی کے عظیم المرتبت نور کا پرتو ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا ہی خوب فرمایا:

فلو سمعوا فی مصر ا وصاف خدّہ

لما بذلو افی سوم یوسف من نقدٖ

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ

لآثرن بالقطع القلوب علی الأیدی

[ترجمہ] اگر اہل مصر، مصر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ زیبا کے اوصاف سن لیتے تو یوسف (علیہ السلام) کے مول بھاؤ میں کچھ بھی سرمایہ خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی پیشانی کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

(شرح المواہب اللدنیۃ ج ۳، ص: ۲۳۴)۔

اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اور میرے پیر و مرشد حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں　　　　یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں

[حلِ لغات] "بہا"،: اصل میں بہاء ہے ہمزہ تخفیفاً گر گیا۔ حسن و جمال۔ زیب و زینت۔ "تجمّلا"،: صیغہ تثنیہ مذکر غائب از تفعّل ۔آراستہ ہونا۔ خوبصورت ہونا ۔"ضیاء"، : روشنی۔ تابانی۔ چمک دمک۔

(۳۶) قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيْعَ الأَنْبِيَآء
طُرّاً فَسُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرَاكَا

[ترجمہ] اے طٰہٰ! تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم مرتبہ میں تمام انبیاء پر فوقیت رکھتے ہیں ۔لہٰذا پاک ہے وہ ذات جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کو شبِ معراج عالمِ بالا کی سیر کرائی۔

[تشریح] اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے بلند مرتبہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو عطا فرمایا اور ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی لیکن جو قدر و منزلت، عظمت و رفعت اور شان و شوکت حضور سرورِ عالم أرواحنا فداہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخشی وہ کسی کے حصّے میں نہ آئی۔

فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾

ترجمہ: اور اس نے بعض کو درجوں بلند فرمایا۔

مفسرّین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بعض سے مراد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ چنانچہ آیات واحادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل الخلق ہونے کو بیان کیا جارہا ہے۔

افضلیتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کئی وجوہ سے فضلیت عطا فرمائی ہے۔ معتبر و مستند کتب سے اخذ کر کے یہاں پر چند وجوہ کو بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم "رحمۃ للعالمین،، ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (انبیاء:۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تو جب آپ ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کائنات میں سب سے افضل ہوں کیوں کہ ہر ایک حصولِ رحمت میں آپ ہی کا محتاج ہے اور محتاج، محتاج الیہ سے افضل نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ شخص محتاج احتیاج کی حالت میں اُس وصف اور اُس چیز سے خالی ہوتا ہے جس میں وہ غیر کا محتاج ہے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محتاج الیہ ہیں اور ساری کائنات محتاج۔ اور کائنات میں حضراتِ انبیائے کرام بھی داخل۔ تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "رحمۃ للعالمین،، ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف کے جامع ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (انعام:۹۰)

ترجمہ: یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں

اس آیت کریمہ میں "ھدی،، سے شریعت کے اصول وفروع مراد نہیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مستقل شریعت ہے، بلکہ اس سے اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کاملہ مراد ہیں۔تو اب معنٰی یہ ہوئے کہ:

اے محبوب! آپ جملہ انبیائے کرام کی صفاتِ حمیدہ، اخلاقِ فاضلہ، عاداتِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع فرمالیجئے!

اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کیا ہے۔پس ثابت ہو گیا کہ آپ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کے اوصاف اور کمالات، اخلاق اور عادات کو اپنی ذات واحد میں جمع فرمالیا ہے۔اگر آپ کے اوصافِ جلیلہ کو پھیلائیے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کو سمیٹئے تو آپ کی ذات مقدسہ ہے۔سبحان اللہ .

اسی لئے ہمارے امام نے فرمایا:

انبیا تہہ کریں زانوں جن کے حضور ——— زانووں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی رسالت کے شمول وعموم کی وجہ سے کل کائنات سے افضل ہیں۔

کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ ازلی میں فرماتا ہے:

﴿ وَمَاأَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّ نَذِيْراً ﴾ (سبا:۲۸)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو قیامت تک تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ آپ کی رسالت تمام انسان، جنات بلکہ جملہ مخلوقات کو عام ہے۔ گزشتہ انبیائے کرام کی رسالت جزئی تھی کیوں کہ وہ مخصوص علاقے اور خطّے کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کلّی ہے۔ عالمِ خلق کا ہر فرد اس میں داخل ہے۔ کوئی بھی حضور سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اسی حقیقت کی عکاسی حضرتِ رضا نے اپنے شعر میں کی ہے:

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

(۴) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ﴾

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر۔ (احزاب:۴۰)

ہر بعد میں آنے والے پیغمبر کی شریعت اگلوں کی شریعت کیلئے ناسخ ہوتی رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔

لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت گزشتہ تمام شریعتوں کے لئے ناسخ ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والا کوئی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل　　یعنی مہرِ نبوّت پہ لاکھوں سلام

(۵) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب میں وقار بخشا اس لئے حضور سب سے افضل ہیں۔ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں تمام انبیائے کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ناموں کے ساتھ مخاطب کیا ہے مثلاً

﴿یَا آدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ . یَا عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ . یَامُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ . یَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا . یَا دَاؤدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَةً . یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾

لیکن اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے نام کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے پیارے اوصاف سے مخاطب فرمایا۔ یہ بھی رسولِ پاک کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں۔

بے قسیم وسہیم و عدیل ومثیل　　جوہرِ فردِ عزّت پہ لاکھوں سلام

(٦) سیادتِ کلّی کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل ہیں۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أنا سید ولد آدم یوم القیامة

(الصحیح لمسلم ج ۲ باب تفضیل نبینا علیٰ جمیع الخلائق۔ والسنن لابن ماجہ ص:۳۲۹ باب ذکر الشفاعۃ۔ والسنن للترمذی ج ۲ ص:۲۰۲، ابواب المناقب)

ترجمہ: میں بروزِ قیامت سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت امامِ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مع انہ سیدھم فی الدنیا والآخرۃ فسبب التقیید أنّ فی یوم القیامةیظھر سئودہ لکل أحد.

ترجمہ: حضور دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں جملہ انسانوں کے سردار ہیں لیکن حدیث میں صرف قیامت کا ذکر اس لئے ہے کہ قیامت کے دن آپ کی سرداری اور بادشاہت سب پر ظاہر کردی جائے گی۔

سردار سب سے افضل ہوتا ہے اور اولادِ آدم میں تمام انبیائے کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی افضلیت کی بہت سی وجہیں ہیں۔ لیکن بخوفِ طوالت انہیں ترک کیا جاتا ہے۔

[حلّ لغات] ”فُقْتَ“: صیغہ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر۔ بلند ہونا۔ بڑھ جانا۔ سبقت لے جانا۔ ”طرّاً“: جمیعاً کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے ”جاؤا طرّا“ یعنی وہ سب آئے۔ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ ”أسریٰ“: صیغہ واحد مذکر غائب

از باب افعال رات میں سیر کرانا۔

(۳۷) وَاللّٰہِ یَا یٰسِیْنُ مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ
فِیْ الْعَالَمِیْنَ وَحَقٌّ مَنْ اَنْبَاکَا

[ترجمہ] اے یٰس! آپ کو غیبی خبریں دینے والے خدا کی قسم! کائنات میں آپکا مثل نہیں ہے (کائنات میں آپ کی نظیر نہیں)

[تشریح] اس شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ سنت وجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " ممتنع النظیر،، ہیں، کائنات میں آپ کا مثل نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

آیتِ کریمہ:

﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ﴾

ترجمہ: اے محبوب آپ فرمادیجئے کہ میں ظاہری شکل وصورت میں تم جیسا بشر ہوں۔

کو لے کر جو لوگ تفریط کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں انہیں جلد از جلد اپنی روش کو بدل لینا چاہئے اور سچی توبہ کر کے اپنے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی شمع روشن کر لینی چاہئے! کہیں ایسا نہ ہو کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان کا مقدر بن جائے اور سارا کیا دھرا اکارت جائے۔

اس عقیدے سے متعلق گزشتہ سطور میں کافی گفتگو ہو چکی ہے، لیکن چوں کہ یہ عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ ہے اس لئے آپ کی ضیافتِ طبع کے لئے چند

باتیں اور عرض کی جاتی ہیں۔

مثلیتِ محمدی محال ہے:

جو لوگ اپنے گندے اور ناپاک منہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں انہیں ہوش کے ناخن لینا چاہئے! کہاں ہم اور کہاں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ہم اگر نماز میں کسی کو سلام کردیں تو نماز غارت ہوجائے۔لیکن حضور کو سلام کیے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ہم کسی نمازی کو نماز کی حالت میں بلائیں تو اس کا نہ آنا واجب، اور اگر سرکار بلائیں تو آنا ضروری۔ہم قبلہ کے محتاج لیکن قبلہ خود ان کا محتاج۔ہم حالت نماز میں کسی سے باتیں کریں تو نماز باطل ہوجائے، لیکن اگر سرکار باتیں کریں تو نماز باقی رہے بلکہ کامل رہے ۔ہماری حیثیت وحقیقت کیا، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ان جیسے نہیں۔ بروز حشر دنیا دیکھے گی کہ اللہ رب العزت جلال میں ہوگا کسی نبی اور رسول کو کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوسکے گی، کسی کو زبانِ شفاعت کھولنے کی ہمت نہ ہوگی۔اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض کریگا تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہوگی، حضور ہی بابِ شفاعت کھول کر نجات دلوائیں گے۔جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرھما کی حدیثوں سے ثابت ہے۔

اس گفتگو سے واضح ہوگیا کہ کائنات میں کوئی بھی آپ کا مماثل نہیں۔اور آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم صرف اس بات میں حضور کے مثل ہیں کہ ہم خدا ہیں نہ حضور۔یعنی

عدمِ الوہیت میں ہم ان جیسے ہیں۔ باقی کسی چیز میں اور کسی وصف میں ہم ان جیسے نہیں۔

کون ومکاں میں آپ کے جیسا کہاں شہا! رب العلی نے آپ کو یکتا بنادیا

امام الطائفۃ الزائغہ مولوی اسماعیل دہلوی کی بدعقیدگی:

اہلِ سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ مثلِ محمدی تحتِ قدرتِ الٰہی نہیں۔ کیوں کہ محالات زیرِ قدرت نہیں ہوتے۔ صرف عالمِ امکان ہی تحتِ قدرت الٰہی ہے۔ اب اگر مثلِ محمدی کو تحتِ قدرتِ الٰہی جان کر ممکن بالذات مان لیا جائے تو رب تعالیٰ کا کاذب ہونا اور بہت سی آیتوں کا باطل ہونا لازم آئیگا اور کذبِ باری تعالیٰ محال بالذات ہے اور جو مستلزمِ محال ہو وہ خود محال ہوا کرتا ہے۔ لہذا مثل محمدی محال بالذات ہے۔

لیکن ہندوستانی وہابیوں کے امام مولوی اسماعیل دہلوی کہتے ہیں کہ مثلِ محمدی ممتنع بالذات نہیں بلکہ ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور اللہ صاحب کی شان یہ ہے کہ ایک لمحہ میں ہزاروں محمد پیدا کرسکتا ہے، ان کی بدنامِ زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان،، میں لکھا ہے:

اس شہنشاہ (خداوندِ قدوس) کی تو یہ شان ہے کہ اگر چاہے تو لفظ ''کن،، سے کروڑوں نبی، ولی، جن، فرشتے، جبریل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ایک آن میں پیدا کردے اور ایک دم میں عرش سے فرش تک ساری کائنات کو زیروزبر کردے اور دوسرا عالم پیدا کردے۔ الخ معاذ اللہ (تقویۃ الایمان ص: ۴۵۔ مطبع دار الکتاب دیوبند)

محققِ بے بدل بطلِ الہند حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر ایک تحقیقی کتاب بنام '' امتناع النظیر ،، لکھی ہے اور اس میں آپ نے حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل کے ممتنع بالذات ہونے پر ایسے دلائل قائم فرمائے ہیں کہ نقیبانِ وہابیت جن کا جواب دینے سے آج بھی قاصر ہیں۔لیکن توبہ کر کے قبولِ حق کی توفیق نہیں ہوتی۔ میں کتاب ''علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور انقلاب ۱۸۵۷'' کے حوالے سے چند باتیں بطور اختصار پیش کرتا ہوں۔

علامہ مذکور رحمۃ اللہ علیہ امتناع نظیر ص:۸۱ پر فرماتے ہیں:

اب میرا یہ دعوٰی ہے کہ کوئی بھی شخص کمالات میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ ممتنع بالذات ہے اور جو ممتنع بالذات ہوتا ہے وہ قدرتِ الٰہی کے تحت داخل نہیں ہوتا۔

علامہ نے اپنے اس دعوی کی دلیل میں ''شرحِ مواقف،،اور''شرحِ عقائدِ عضدیہ،، کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

شرح مواقف میں فرمایا کہ تحتِ قدرت ہونے کے لئے ممکن ہونا ضروری ہے۔کیو ں کہ واجب بالذات اور ممتنع بالذات کا تحتِ قدرتِ الٰہی ہونا محال ہے۔اس کے دوسرے مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جملہ مفہومات کو عام ہے،ممکنات،واجبات اور محالات بھی اس میں داخل ہیں۔لیکن علم قدرت سے عام ہے کیوں کہ قدرت ممکنات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا تعلق واجبات وممتنعات سے نہیں ہوتا۔اور شرح عقائد عضدیہ میں ہے مصحِّحِ مقدوریت ممکن ہونا ہی ہے۔

حضرت علامہ نے یہاں تک یہ ثابت کیا کہ قدرت کا تعلق صرف ممکنات سے ہوتا

ہے محالات وواجبات سے نہیں۔اب امتناع النظیر کے صفحہ۱۵ پر مثلِ محمدی کے ممتنع بالذات ہونے پر زبردست دلیل قائم فرماتے ہیں۔کہتے ہیں:

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُرسِلتُ الی الخلق کافةً و خُتِمَ بی النبیّون

ترجمہ:یعنی میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور انبیاء کا سلسلہ مجھ پر ختم ہوا ہے۔

نیز یہ ثابت ہے کہ اوصاف وکمالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مساوی ہونا ممتنع بالذات ہے۔کیونکہ اگر اس کا وجود فرض کیا جائے تو یہ دونوں صفتیں (ساری مخلوق کا رسول ہونا اور خاتم النبیین ہونا) اس میں پائی جائیں گی یا نہیں۔اگر پائی نہ جائیں تو وہ مساوی مساوی نہیں ہوگا اور اگر پائی جائیں تو وہ مساوی ساری خلقت کا رسول ہوگا۔پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے امتی ہونگے۔لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے مساوی نہیں ہونگے۔نیز اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ مساوی آخری نبی ہے تاکہ'' ختم به النبیون ،، کا معنی اس میں پایا جائے۔تو اب ضروری ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی نہ رہیں۔پس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے مساوی نہ ہوئے اور وہ آپ کے مساوی نہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ مساوی کا وجود خود اس کے عدم کو مستلزم ہے اور جس کا وجود اس کے عدم کو

مستلزم ہو وہ محال بالذات ہوتا ہے۔لہذا ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل محال ہے تحتِ قدرتِ الٰہی نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
تیرا مسند ناز ہے عرش بریں تیرا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا تیرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

[حلِّ لغات] ”واللہ“ اور ” وحق “ میں واوٴ قسمیہ ہے۔ ”عالمین “:(واحد) عالم۔ ماسوا اللہ (اللہ کے علاوہ) کو عالم کہتے ہیں۔ ” أنبا“ :صیغہ واحد مذکر غائب از افعال۔خبر دینا۔غیب کی باتوں پر مطلع کرنا۔نبی کو نبی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ غیب کی خبریں دیتا ہے(مصباح اللغات ص:۸۴۷ موٴلف عبدالحفیظ قاسمی دیو بندی)۔

(۳۸) عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرآءُ يَا مُدَّثِّرْ
عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عَلَاكَا

[ترجمہ] اے بالا پوش اوڑھنے والے! شعرا آپکی حمد وثنا بیان کرنے سے عاجز اور آپ کے بلند اوصاف وکمالات کو ذکر کرنے سے قاصر رہ گئے۔

[تشریح] اس شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ تعریف وتوصیف کی ہے جس کے آپ بجا طور پر مستحق ہیں۔

حقیقتِ محمدیہ کا ادراک ناممکن ہے:

ساری کائنات حقیقت محمّدیہ کے ادراک سے عاجز وقاصر ہے۔کوئی بھی شخص خواہ صحابی ہو یا تابعی، امام ہو یا محدّث، قریب زمانے کا ہو یا بعید زمانے کا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت کا اس دنیا میں ادراک نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ آپ کی زندگی کی آنے والی گھڑیاں گزشتہ تمام گھڑیوں سے بہتر ہیں۔ یہ دعویٰ میں نہیں بلکہ قرآن کررہا ہے۔

ارشادربانی ہے:

﴿وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى﴾ (والضحیٰ:۴)

ترجمہ: بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آخرت دنیا سے بہتر، کیوں کہ وہاں آپ کے لئے مقامِ محمود وحوضِ موعود وخیرِ موعود اور تمام انبیاء و رُسُل پر تقدم اورآپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا اور شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا اور بے انتہا عزتیں اور کرامتیں ہیں جو بیان میں نہیں آتیں۔

مفسّرین نے اس آیت کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ آنے والے احوال آپ کے لئے گزشتہ احوال سے بہتر ہیں گویا حق تعالی کا وعدہ ہے کہ روز بروز آپ کے درجے بلند کرے گا اور عزت پر عزت منصب پر منصب زیادہ فرمائے گا اور ساعت بہ ساعت آپ کے مراتب ترقیوں پر رہیں گے۔(تفسیر خزائن العرفان: سورۃ الضحیٰ)

سارے علما و مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس عالم سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کی روحانی ترقیاں جاری ہیں اور تا قیامِ قیامت بلکہ قیامت کے بعد بھی جاری رہیں گی۔ انتہاء تو اس شی کی ہوتی ہے جو کسی حد پر رک جائے مگر یہاں تو ترقی کا سفر مسلسل جاری ہے۔

لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بے حد و انتہاء ہیں، ان کا کوئی شمار نہیں، پس شعراء آپ کی کتنی ہی تعریفیں کریں، کتنے ہی فضائل بیان کریں، زندگی کی ہر سانس میں آپ کی تعریف کریں، لگا تار اوصاف و کمالات اور حقائق و معارف بیان کریں تب بھی وہ آپ کے جملہ فضائل و کمالات بیان نہیں کر سکتے کیوں کہ ان کی کوئی حد و انتہا نہیں۔

حضرت امام شرف الدّین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں،

فَاِنّ فضلَ رسول اللہ لیس لہ
حدٌّ فیُعرِبَ عنہ ناطقٌ بفمِ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں کہ بولنے والا اپنی زبان سے بیان کر سکے۔

أعیٰ الوریٰ فھم معناہ فلَیسَ یُری
للقُرب و البُعدِ منہ غیر مُنفَحِم

ترجمہ: آپ کی حقیقت کے ادراک نے ساری خِلقت کو عاجز کر دیا تو دور و نزدیک کہیں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو عاجز نہ ہو۔

[حلِّ لغات] "شعراء"۔: (واحد) شاعر۔ شعر کہنے والا۔ "مُدثّر": اسم فاعل از باب افتعُل۔ چادر لپیٹنے والے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صفتی نام ہے۔ قرآن مقدس میں ہے "یاایّھا المدثّر قُم فانذِر۔" "عَجزُوا": بصیغہ جمع مذکر غائب از باب ِضرب۔ قادر نہ ہونا۔ طاقت نہ رکھنا۔ عاجز ہونا۔ "کلّوا": صیغہ جمع مذکر غائب از باب ضرب بمعنی تھکنا۔ "عُلا و عُلی": بلندی و شرافت۔

(۳۹) اِنْجِیْلُ عِیْسٰی قَدْ اَتٰی بِکَ مُخْبِرًا
وَ لَنَا الْکِتَابُ اَتٰی بِمَدْحِ حُلَاکَا

[ترجمہ] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل آپ کی بشارت دیتے ہوئے آئی اور ہماری کتاب (قرآنِ مقدس) نے بھی آپ کے حسن و جمال اور اوصاف و کمالات کو بیان کیا۔

[تشریح] اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام انبیائے کرام و مرسلینِ عظام کی روحوں کو جمع فرما کر ان سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ:

جب میں تمہیں کتاب و حکمت سے نواز دوں اور پھر تمہارے پاس تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا پیغمبر آجائے تو اس پر ایمان لا کر ضرور ضرور اس کی حمایت کرنا۔

اسی لئے ہر نبی و پیغمبر نے اپنے اپنے زمانے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت کا چرچہ کیا اور اپنی امت کو بشارت دی کہ ایک نبی پیدا ہوں گے جو سرورِ کائنات ہوں گے۔ آسمانی کتابوں میں آپ کے تعلّق سے بے شمار بشارتیں موجود ہیں۔ ان کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے بہت زیادہ تحریف کر دی ہے، لیکن اب بھی

ان میں ایسے اشارات موجود ہیں جن کا مشار الیہ آپ کی ذات ستودہ صفات کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ اس شعر میں انجیل شریف کی بشارت کا ذکر ہے اس لئے صرف اسی کتابِ مقدس کی بشارت کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

آسمانی بادشاہت:

انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے:

ان دنوں میں یوحنا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یحیٰ نبی کی معرفت یوں ہوا ”بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اس کے راستے سیدھے کرو۔

انجیل متی کے چوتھے باب میں ہے:

جب اس نے سنا کہ یوحنا پکڑوادیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرنحوم میں جا بسا۔ اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اور بادشاہی کی منادی کرتا رہا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا۔

چھٹے باب میں نماز و دعا کی تعلیم کے ضمن میں التجا کی:

خدا کرے تیری بادشاہی آئے!

جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسرائیلی شہروں میں وعظ و تبلیغ کے لئے بھیجا تو انہیں یہ وصیّت کی:

اسرائیلی کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ یحیٰی علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں اور شاگردوں نے آسمانی بادشاہی کی بشارت دی، عیسیٰ اور یحیٰی علیہما السلام کی بشارت کے الفاظ ایک جیسے ہیں، آسمانی بادشاہی کا ظہور نہ تو یحیٰی علیہ السلام کے زمانے میں ہوا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں۔ حواریوں اور شاگردوں کے دور میں بھی یہ آسمانی بادشاہی ظاہر نہ ہوئی بلکہ وہ سب اس بادشاہی کے ظاہر ہونے کی خوش خبری اور بشارت دیتے رہے اور مبشَّر بہ نبی کے منتظر اور امیدوار رہے۔

لہٰذا اس بادشاہی سے مراد وہی سلطنت ہے۔ جس کی خبر حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنی کتاب میں دی۔ لہذا اس بشارت کے مصداق صرف اور صرف رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں اور یہ پیش گوئی صرف نبوت محمدیہ پر ہی صادق آتی ہے (تلخیص از حجۃ اللہ علی العالمین ج ا ص ۹۷۔۱۹۶)

سراپائے دلنواز کا ذکر قرآن میں:

حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ نے اس شعر کے دوسرے مصرع میں

فرمایا:

اللہ رب العزت کے کلامِ ازلی نے ہمارے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا۔

اس لئے آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس کا ذکر پیشِ قارئین ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رب تبارک وتعالی نے آپ کے جسمِ اقدس کے ایک ایک عضو کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔

آپ کے چہرۂ مقدس کے بارے میں فرمایا:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ ﴾ (بقرہ ۱۴۴)

ترجمہ: ہم بار بار آسمان کی طرف آپکا رخِ انور کرنا دیکھ رہے ہیں۔

آپ کی چشمہائے مبارک کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْکَ ﴾ (حجر: ۸۸)

ترجمہ: اپنی آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھیں۔

زبانِ اقدس کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِکَ ﴾ (مریم: ۹۷)

ترجمہ: ہم نے قرآنِ پاک آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔

﴿ لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴾ (سورۂ قیامہ)

ترجمہ(:اے حبیب ﷺ!) آپ اسے جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے (نزولِ وحی کے ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

دستِ مبارک اور گردنِ اقدس کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾ (بنواسرائیل:۲۹)

ترجمہ: اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھیے۔

سینۂ اقدس کا ذکر یوں فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ (انشراح:۱)

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا۔

پشتِ اقدس کا تذکرہ اس طرح کیا:

﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴾ (انشراح:۲)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔

قلبِ انور کے بارے میں فرمایا:

﴿ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ (بقرہ:۹۷)

ترجمہ: اللہ نے قرآن حکیم تمہارے قلبِ انور پر نازل فرمایا۔

خلق عظیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (قلم:۴)

ترجمہ: اے محبوب! آپ خلق عظیم کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔

اپنے محبوب کے ماہِ تاباں کی قسم یاد فرمائی تو یوں کہا:

﴿وَالضُّحٰی﴾ (سورۂ ضحیٰ)

ترجمہ: قسم ہے چاشت (کی طرح چمکتے ہوئے چہرۂ زیبا) کی۔

محبوب کی سیاہ زلفوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ (سورۂ ضحیٰ)

ترجمہ: اے حبیبِ مکرم! قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی)

اپنے حبیب کی چشمانِ مقدسہ کا ذکر اس دل نشیں انداز سے کیا:

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ (سورۂ نجم)

ترجمہ: (میرے محبوب نے میرا دیدار اس شان سے کیا کہ) نہ (اس کی) نگاہ جھکی نہ حد سے بڑھی۔

دہنِ اقدس کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی . اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (سورۂ نجم)

ترجمہ: اور وہ اپنی (یعنی نفس کی) خواہش سے بات ہی نہیں کرتے، وہ تو وہی فرماتے ہیں جو اللہ کی جانب سے ان پر وحی ہوتی ہے۔

حضور کے مبارک زمانے کی قسم یاد فرماتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ . اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ (سورۂ عصر)

ترجمہ: اے محبوب! قسم ہے آپ کے زمانے کی! یقیناً انسان ضرور خسارے میں ہے۔
خاکِ گزر کی قسم یوں یاد فرمائی:

﴿لا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ. وَ أَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ (سورۂ بلد)

ترجمہ: مجھے اس شہرِ مکہ کی قسم! اس لئے کہ اے محبوب! تو اس میں تشریف فرما ہے۔
آپ کے مبارک ارشاد کی قسم یاد فرمائی تو کہا:

﴿وَقِيْلِهٖ يَا رِبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورہ)

ترجمہ: مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔
امامِ اہلِ سنت مجدّد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں آیاتِ قرآنیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا! تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

اپنے مشہور زمانہ سلام ”مصطفیٰ جانِ رحمت،، میں فرماتے ہیں:

کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم — اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
ان کے قد کی سہولت پہ بے حد درود — ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

[حلّ لغات] "مخبرا،، :اسم فاعل از بابِ افعال ۔یہ حال واقع ہے۔خبر دیتے ہوئے"الکتاب،،:اس سے مراد قرآن مقدس ہے(جمع) کتب ۔"حُلی،،: (واحد)حلیة۔زیور۔یہاں حسن وجمال مراد ہے کیوں کہ انسان سے جو رنگ اور ہیئت دکھائی دیتی ہے اسے "حلیة الانسان،، کہتے ہیں۔

(۴۰) مَا ذَا یَقُولُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰی
اَنْ یَجْمَعَ الْکُتّابُ مِنْ مَعْنَاکَا

[ترجمہ] ثناخوانی کرنے والے(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کی مدح) میں بھلا کیا کہیں؟ اور لکھنے والے آپ صلی اللہ علیک وسلم کے اوصاف وکمالات کیا جمع کریں؟

[تشریح] ابھی ماقبل میں گزرا کہ ثناخوانی کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وکمالات کو کما حقہ بیان کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکرامات اور اوصاف وکمالات بے حد وانتہا ہیں۔

اگر ساری کائنات کے لکھنے والے مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو لکھنا چاہیں تو لکھتے لکھتے ان کی روشنائی ختم ہو جائے،قلم ٹوٹ جائیں تب بھی امید نہیں کہ وہ آپ کے مناقبِ جلیلہ اور فضائلِ حمیدہ کو لکھ سکیں گے۔

باری تعالیٰ کے قول:

﴿قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّکَلِمَاتِ رَبِّی لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّی وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائیگا لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے ،اگر چہ اسی کے مثل اور لے آئیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق علی الاطلاق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل تحقیق کے نزدیک ' کلمات ' سے مراد وہ فضائل وکمالات اور حقائق و معارف ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص فرمائے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی تمثیل وصفت سے منزہ ہے۔ اس کا تو کوئی ثانی ہی نہیں،، (مدارج النبوۃ ج ا ص:۱۱۹)

اس عبارت کا صاف اور واضح مطلب یہی ہوا کہ اگر ربّ تبارک وتعالیٰ کے کلمات (کمالاتِ مصطفیٰ) لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو یقیناً سمندر خشک ہو جائے گا، لیکن وہ کلمات ختم نہیں ہونگے خواہ اس کی مدد کیلئے اس جیسے اور سمندر لے آئیں۔

علما و مشائخ فرماتے ہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ نے شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طرح کا کلام فرمایا تھا۔ ایک قسم کلام کی وہ ہے جو عربی لغت کے مطابق ہے اور جس کا ظاہری معنی مخلوق سمجھ سکتی ہے۔ دوسرا کلام اشارہ میں فرمایا گیا تھا جس طرح قرآن مقدّس کے حروفِ مقطعات ہیں کہ جن کو سمجھنے یا جن کی حقیقت تک پہونچنے کی طاقت کوئی نہیں رکھتا۔ تیسری قسم کا کلام پاک وہ ہے جو ابہام میں فرمایا گیا تھا۔ یہ کلام کسی کے وہم وخیال

میں بھی نہیں آسکتا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کمالات وہ ہوئے جن کو ہم اور آپ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں اور کچھ کمالات وہ ہیں جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی اور کچھ کمالات وہ ہیں جو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے۔

اسی لئے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے باطنی کمالات بے حدوانتہا ہیں۔ نہ بیان کرنے والے انہیں بیان کرسکتے ہیں اور نہ لکھنے والے انہیں حیطۂ تحریر میں لاسکتے ہیں۔

[حلِّ لغات] "مادحون": (واحد) مادح۔ اسم فاعل از بابِ فتح بمعنی تعریف کرنا۔ "عسٰی": افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور جامد ہے۔ محبوب وپسندیدہ شئی میں امید کیلئے اور مکروہ وناپسندیدہ شئی میں خوف کیلئے مستعمل ہے۔ "کتّاب": (واحد) کاتب۔ لکھنے والے۔ تحریر کرنے والے۔ "معنٰی": مطلب (جمع) معانی۔ یہاں کمالاتِ باطنی مراد ہیں۔

(۴۱) وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُھُم
وَالشُّعَبُ اَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاکَا

(۴۲) لَمْ یَقْدِرِ الثَّقَلَانِ تَجْمَعُ نَزْرَہٗ
أَبَداً وَمَا اسْطَاعُوا لَہٗ اِدْرَاکَا

[ترجمہ] بخدا اگر سارے سمندر لوگوں کیلئے روشنائی بن جائیں اور اس (حمد وثنا) کے لئے

درخت کی شاخیں قلم بنادی جائیں۔

تب بھی تمام جن وانس مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی حمد وثنا نہیں لکھ سکیں گے اور نہ ہی اس کا ادراک کرسکیں گے۔

[تشریح] ان دونوں اشعار کا مطلب وہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ اللہ تعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر فضائل وکمالات، حقائق ومعارف اور برکات ومعجزات سے نوزا ہے کہ جنہیں جن وانس مل کر بھی بیان نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ﴾

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ کو بے حد وحساب خوبیاں عطا کیں۔

اگر تمام دنیا کے عالم وعارف مل کر اس کلمہ (کوثر) کی تشریح کریں تو اس کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جائیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کو اس قدر بلندی عطا فرمائی ہے کہ قُربِ حق میں اس سے بلند تر کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

بدمذہبوں کی جانب سے اعتراض:

تم بریلویوں کی یہ عادت بہت بری ہے کہ تم لوگ نبی کی اتنی تعریف کرتے ہو کہ انھیں خدا کے برابر پہونچا دیتے ہو۔ نبی تو ہم جیسے بشر تھے۔ بس، اللہ نے انھیں ہم پر فضیلت دی ہے۔ لہذا وہ بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے۔ تعریف کرنے میں اتنا مبالغہ نہ

ہو کہ شرک ہو جائے۔

دیکھئے ہمارے شہیدِ اعظم فرماتے ہیں:

تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو۔ سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے، معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیا ہوں یا اولیا ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے، ہمیں ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، کیوں کہ ہم چھوٹے ہیں۔ لہذا ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرو۔ (تقویۃ الایمان ص: ۷۷۔ مکتبہ دار الکتاب دیوبند)

ہمارا جواب:

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی اوصاف وکمالات مانتے ہیں انھیں محدود جانتے ہیں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو خیرِ کثیر سے نوازا ہے اور آپ کا علم بہت عظیم ہے تمام مخلوق کا علم آپ کے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے اور آپ کا علم تمام مخلوق کے مقابلے میں سمندر۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وکمالات کو اللہ رب العزت کے علوم وکمالات سے وہ نسبت نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔ کیونکہ قطرہ کی نسبت سمندر کی جانب متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وکمالات کی نسبت اللہ رب العزت کے علوم وکمالات کی طرف متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اور یہ ثابت شدہ

حقیقت ہے کہ متناہی کبھی بھی غیر متناہی کے مساوی نہیں ہوسکتا۔

ہم تو نبی کو خدا کا مساوی قرار نہیں دیتے بلکہ انھیں خدا کا بندہ ہی مانتے ہیں۔ البتہ ان کے بارے میں ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن آپ لوگ انھیں اپنا بڑا بھائی اور اپنے جیسا بشر کہہ کر دوزخ میں جانے کا راستہ ہموار کرر ہے ہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا کہنا کلمۂ گستاخی و کفر ہے کیونکہ کفار انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتبِ عالیہ کو پست اور کم کرنے کیلئے انھیں اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔ قرآن عظیم ان کی مذمت میں نازل ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کا طریقہ تھا:

قرآن مقدس کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انکے زمانے کے کفار و مشرکین ہی اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔

اس چیز کو وہ بطور استدلال پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایسے کو بھلا کیسے نبی مان لیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ شادی بیاہ کرتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم نے کہا: ہم تو آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ رہے ہیں ۔قرآن مقدس نے اس کی حکایت یوں کی ہے:

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ (پارہ ۱۲۔ھود: آیت ۲۷)

ترجمہ: ان کی قوم کے کافروں نے کہا: ہم تو آپ کو نہیں دیکھتے مگر اپنے جیسا بشر۔
حضرت ہود علیہ السلام کی قوم آپس میں تبادلۂ خیال کرتی تھی:
﴿مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ (پارہ ۱۸۔ مؤمنون آیت ۳۳)
ترجمہ: یہ تو تمہارے جیسے بشر ہی ہیں، کیوں کہ یہ وہی کھاتے ہیں جو تم لوگ کھاتے ہو وہی پیتے ہیں جو تم لوگ پیتے ہو۔
یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہی کہ :
﴿وَ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (پارہ ۱۹۔ آیت ۱۸۶)
ترجمہ: تم تو ہمارے جیسے بشر ہی ہو۔ تو پھر ہم تمہاری بات کیسے مان لیں۔
ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں تبصرہ کیا:
﴿ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ﴾
ترجمہ: کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی پیروی کریں۔ (پارہ ۲۷۔ قمر آیت ۲۴)
غرض کہ جن کافر قوموں نے بھی انبیاء کی تکذیب کی، انہوں نے یہی کہا کہ ایک بشر ہمیں کیسے ہدایت دیگا، جیسا کہ قرآن مقدس ان کے اس قول کی حکایت بیان فرمائی:
﴿قَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾
ترجمہ: بولے کیا ایک بشر ہمیں ہدایت دیگا۔ (پارہ ۲۸۔ تغابن آیت ۶)
قارئینِ کرام! آپ غور فرمائیں کہ کیا یہ جملے بالکل ویسے نہیں جو یہ بدمذہب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی شان اقدس میں کہتے ہیں۔کیا اِن کی دلیل وہی نہیں جواُن کافروں کی تھی۔اُن نادان کافروں کی طرح اِن بیوقوف وہابیوں کی نگاہیں بھی ظاہر پر ہیں کہ یہ تو ہماری طرح رہتے ،کھاتے ، پیتے اور اسبابِ معیشت حاصل کرتے ہیں، ہماری طرح اعضائے جسم رکھتے ہیں لھذا ہماری طرح بشر کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن یہ آیاتِ مبارکہ اعلان کررہی ہیں کہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنا صرف گستاخی ہی نہیں بلکہ کفر ہے،ایسے لوگ لاکھ جلسے کریں، ہزاروں مدرسے کھولیں ،تبلیغِ دین کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ کریں اور اصلاح معاشرہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ ڈالیں،سب بیکار،سب بے سود۔ایسوں کا انجام وہی ہے جو قرآن نے بیان فرمادیا کہ :

﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾

ترجمہ:ان سے نہ ہی عذاب کم کیا جائیگا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائیگی۔

یہ لوگ اگر اپنی خیر چاہتے ہیں تو بشر بشر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں اور امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن تھام کر یوں پکاریں!

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ورنہ ہمارے امام کا یہ اعلان بھی سن لیں!

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخار برق بار　　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

نبی ﷺ کے بشر ہونے کے متعلق علمائے دیوبند کا نظریہ:

دیوبندیوں کے شیخ الکل خلیل احمد صاحب کہتے ہیں:

''کوئی ادنی مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصّلوٰۃ کے تقرب وشرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کانہیں جانتا۔ البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالی فرماتا ہے "قل انّما انا بشر مثلکم" اور بعد اسکے "یوحٰی الّی،، کی قید سے وہی شرفِ تقرّب بعدِ اثباتِ مماثلتِ بشریت فرمایا پس اگر کسی نے بوجہِ بنی آدم ہونے کے آپ کو ''بھائی،، کہا تو کیا خلافِ نص کے کہہ دیا؟ وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے''

نیز لکھتے ہیں:

''لا ریب اخوت نفسِ بشریت میں اور اولادِ آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بنصِّ قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرّب میں نہ تو کوئی کہے اور نہ ہی کوئی مثل جانے۔ (براہین قاطعہ ص ۳ مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

علمائے دیوبند کے نظریہ کا رد:

خلیل احمد صاحب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مساوی اور برابر ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین ہے۔ انبیائے کرام میں عام انسانوں کی بنسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے۔ وہ وصف ''وصفِ نبوت،، ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ حاملینِ وحی ہوتے ہیں، فرشتوں کا دیدار کرتے اور ان کا کلام سنتے ہیں۔ اس لئے نبی کی بشریت اور

عام انسانوں کی بشریت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

دیوبندیوں کا جواب اوراس کا رد:

اگر خلیل صاحب کا کوئی معتقد یہ کہے کہ: حضرت خلیل احمد صاحب کے کلام کا معنی یہ ہے کہ نبوت سے قطع نظر نفسِ بشریت میں مساوات ہے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس طرح نفسِ حیوانیت میں نطق سے قطعِ نظر انسان گھوڑوں، گدھوں، کتوں اور خنزیروں کے مماثل ہے۔ اور ایسا کہنا بلاشبہ انسانوں کی توہین ہے۔ اسی طرح نفسِ بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مساوی کہنا ان کی توہین ہے اور ایسا کہنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ **معاذ الله من هذا القول الخبيث۔**

[حلِّ لغات] "بحار": (واحد) بَحرٌ۔ سمندر۔ "مِداد": روشنائی۔ چراغ میں جو تیل ڈالا جائے اسے بھی مداد کہتے ہیں۔ "شُعَبٌ": (واحد) شعبة۔ فرقہ۔ کسی چیز کا گروہ۔ شاخ۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ "یقدر": صیغہ واحد مذکر غائب از بابِ ضرب۔ قادر ہونا۔ "ثقلان": ثقل کی تثنیہ ہے۔ بوجھ۔ یہاں جن وانس مراد ہیں۔ قرآن میں ہے "سنفرغ لكم أيها الثقلان (رحمٰن)"۔ "نزر": بہت کم۔ "اسطاعوا": صیغہ جمع مذکر غائب از بابِ استفعال، دراصل استطاعوا تھا "تا" کو حذف کردیا اسطاعوا ہوگیا۔ "ادراك": جاننا۔ کسی شئی کی حقیقت تک پہونچنا۔ از بابِ افعال۔

☆☆☆

(٤٣) بِكَ لِیْ قُلَیبٌ مُغرَمٌ یَا سَیِّدِیْ
وَحُشَاشَۃٌ مَحْشُوَّۃٌ بِھَوَاکَا

(٤٤) فَاِذَا سَکَتُّ فَفِیكَ صَمْتِی کُلُّہٗ
وَاِذَا نَطَقْتُ فَمَا دِحاً عُلْیَاکَا

(٤٥) وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلاً طَیِّباً
وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَا أرٰی اِلَّاکَا

[ترجمہ] اے میرے آقا! میرا ایک چھوٹا سا دل ہے جو آپ ہی کا شیدائی ہے اور میری روح صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے۔

جب میں خاموش ہوتا ہوں تو میری ساری خاموشی آپ ہی کی محبت میں ہوتی ہے اور جب بولتا ہوں تو آپ ہی کی رفعتِ شان بیان کرتا ہوں۔

اور جب سنتا ہوں تو آپ ہی کی پاکیزہ باتیں سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو سوائے آپ کے مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا۔

[تشریح] حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذات وصفات، محاسن وکمالات، اخلاق و عادات، نمایاں خصوصیات اور علم و فضل کے کوہِ گراں ہونے کے ساتھ عشقِ رسول، زہد وتقویٰ اور عملِ صالح کا مثالی پیکر اور فنا فی الرسول تھے زندگی کا ایک ایک لمحہ اطاعتِ رسول اور اشاعتِ سنت میں گزرتا تھا۔

حضرتِ موصوف نے اِن اشعار میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپکا یہ غلام آپ کی محبت میں سراپا ڈوبا ہوا ہے، اس کی روح آپ کی الفت سے لبریز ہے، خاموش رہتا ہے تو آپ ہی کی محبت میں، زبان کھلتی ہے تو آپ ہی کی ثنا خوانی میں، کان سنتے ہیں تو آپ ہی کے اقوالِ زریں کو، نگاہیں دیکھتی ہیں تو آپ ہی کے جمالِ جہاں آرا کو۔

یہی وجہ تھی کہ آپ شریعتِ اسلامی کی نزاکتوں کا خوب خوب خیال فرماتے تھے، خدا ترسی اور زہد و تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ پوری پوری رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے، ایک ایک رات میں پورا پورا قرآن تلاوت فرماتے۔

مشہور محدّث حفص بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیس سال تک ایک رات میں پورا قرآن پڑھ کر قیامِ لیل فرمایا اور تیس سال برابر روزے رکھے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام صاحب رات اور دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور رمضان المبارک میں ٦٢ قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت اسد ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور رات بھر میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے، خشیتِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ ترہیب کی آیتوں پر بے

اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور رونے میں ایسی آواز نکلتی کہ سننے والے پڑوسیوں کو ترس آتا تھا۔ (ماخوذ از محدثینِ عظام)

خشیت الٰہی، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ سب عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا صدقہ تھا۔ حقیقی عشق رسول کے بغیر یہ چیزیں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ آج کے اس دورِ پرفتن میں عشقِ رسول کے دعوے دار تو بہت ہیں لیکن ان کے افعال واطوار اور گفتار وکردار ہی ان کے دعوی کو باطل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا عاشق رسول بنائے۔! آمین۔

[حلِّ لغات] "قلیب،،: قلب کی تصغیر۔ چھوٹا سا دل۔ "مغرم،،: عاشق۔ دلدادہ۔ "حشاشۃ،،: مریض یا زخمی کی بقیہ روح۔ "محشوّۃ،،: اسم مفعول از حشا یحشو حشوًا، بھرنا۔ "سکتّ،،: صیغہ واحد متکلم از بابِ نصر۔ خاموش ہونا۔ "نطقت،،: صیغہ واحد متکلم از ضرب۔ بولنا۔ واضح بیان کرنا۔

(۴۶) یَا مَالِکِی کُنْ شَافِعِی فِیْ فَاقَتِی
اِنِّی فَقِیْرٌ فِیْ الْوَرٰی لِغِنَا کَا

(۴۷) یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یا کَنْزَ الوَرٰی
جُدْلِیْ بِجُودِکَ وَ اَرْضِنِیْ بِرِضَا کَا

[ترجمہ] اے میرے سردار! ضرورت کے وقت میری شفاعت فرمایئے گا کیوں کہ میں مخلوق میں آپ کی غنا کا سب سے زیادہ محتاج ہوں۔

اے جن وانس میں سب سے مکرم ومحترم !اے مخلوقِ خدا کے خزانے !اپنے جودوکرم کی مجھ پر بخشش کیجئے اور اپنی خوشنودی سے مجھے بھی شادکام کیجئے۔

[تشریح] سورۂ فاتحہ میں سوال کرنے کا طریقہ یہ بتلایا گیا کہ جس سے کچھ عرض کرنا ہو پہلے اسکی تعریف وتوصیف اور مدح وستائش کی جائے اسکے بعد گزارش ودرخواست پیش کی جائے اور مقصود بیان کیا جائے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت ، جودوسخاوت ،کرم وبخشش ،حسن و جمال ،عادات و اخلاق اور معجزات و کمالات کو بیان فرمایا،اب بارگاہِ رسالت میں یہ عریضہ پیش کررہے ہیں کہ:

اۓ میرے آقا! بروزِ قیامت جب ساری خلقت آپ کی محتاج ہوگی اورآپ کے سواکسی کو بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوگی اس وقت آپ میری شفاعت فرمایئے گا ! کیونکہ میں مخلوق میں آپ کی رحمت کا سب سے زیادہ محتاج ہوں۔اۓ جن وانس کے سردار! آپ کی شان تو یہ ہے

واہ کیا جود و کرم ہے شہہِ بطحیٰ تیرا　　نہیں ، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا　　تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا　　اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

فیض ہے اۓ شہہِ تسنیم ! نرالا تیرا　　آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

لہذا مجھے بھی اپنے دریائے جودوسخاوت سے چند قطرے عطا فرمادیجئے!

دریائے جودوسخاوت:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جودوسخاوت کا عالم یہ تھا کہ آپ نے کبھی بھی کسی سائل (مانگنے والے) کے جواب میں ''نہیں'' نہیں فرمایا۔اس سلسلے کی چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں!

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ما سئل النبی ﷺ عن شئی وقال :لا. (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج۱ص:۸۲)

ترجمہ:ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اورآپ نے جواب میں ''نہیں ہے یا نہیں دوں گا'' فرمایا ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لو ان لی مثل تهامة ذهبا لقسمته بينكم ثم لا تجدونی كذوبا ولا بخيلا"۔ (سبل الھدیٰ ج ۷ص:۸۸بحوالہ کشف بردہ ص:۲۲۷)۔

ترجمہ:اگر میرے پاس تہامہ کے پہاڑوں کے برابر سونا ہوتا تو سارے سونے کو میں تمہارے درمیان تقسیم کردیتا، پھر نہ تم مجھے جھوٹا پاتے اور نہ ہی بخیل۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ پھر خود فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

سب سے زیادہ سخی ہے اور میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں۔(نفس مصدر ص ۲۲۷)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قلت: یا رسول اللہ! انی سمعت منک حدیثا کثیراً أنساہ قال ابسط رداء ک فَبسطتُّہٗ فغرفَ بیدہ ثم قال ضُمَّ فضممتُہٗ فما نسیتُ شیئا بَعدُ. (الصحیح للبخاری ج ا رص:۲۲۔باب حفظ العلم)

ترجمہ: میں نے رسول پاک کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کی بے شمار حدیثیں سنتا ہوں لیکن (ضعفِ حافظہ کے سبب) بھول جاتا ہوں ۔(حضور! کرم فرما دیں!) آپ نے فرمایا: چادر پھیلاؤ میں نے پھیلائی۔آپ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر کچھ ڈالا اور فرمایا: اس کو سینے سے لگا لو! میں نے سینے سے لگا لیا (تو میرا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ) اس کے بعد میں کبھی کچھ نہیں بھولا۔

ان تمام روایتوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روحانی اختیارات ،شان تصرف اور عظمتِ سخاوت کے جلوے نظر آرہے ہیں۔اسی لئے امام اعظم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جود وسخاوت کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا

موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

اسی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا:

نزفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز

مگر بأ شہدُ أن لا إلٰہ إلاّ اللہ

[حلِّ لغات] ”کن“: فعلِ امر۔صیغہ واحد مذکر حاضر از نصر۔ہو جائیے۔ یہاں پر صیغۂ امر بطورِ مجاز ”عرض و دعا“ میں مستعمل ہے۔بطور استعلاء کے ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ مخاطب پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔”فاقۃ“: محتاجی۔ضرورت۔حاجت ۔”فقیر“: (جمع) فقراء۔ محتاج۔”غنٰی“: بے نیازی۔مالداری۔تو انگری۔”کنز“: (جمع) کنوز۔خزانہ۔”جد“: فعلِ امر بمعنیٰ دعا۔صیغہ واحد مذکر حاضر از بابِ نصر ۔سخاوت کیجئے۔”أرض“: فعلِ امر صیغہ واحد مذکر حاضر از بابِ افعال ۔راضی کریئے ۔”رضٰی“: رضامندی، خوشنودی۔

(۴۸) أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ

لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِیْ الْاَنَامِ سِوَاکَا

(۴۹) فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْهِ عِنْدَ حِسَابِهٖ

فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکاً بِعُرَاکَا

[ترجمہ] یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں آپ کے جود و کرم کا خواہش مند ہوں اور آپ کے سوا پوری خلقت میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں ہے۔

امید ہے کہ بوقتِ حساب آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ اس نے آپ کا دامنِ کرم مضبوطی کے ساتھ تھام لیا ہے۔

[تشریح] ان اشعار میں صاحبِ قصیدہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، چارہ ساز دردمنداں حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں یوں فریاد کررہے ہیں کہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! چوں کہ خدائے پاک کی بارگاہ تک پہونچنے کا ذریعہ فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہے، فلاحِ دارین آپ ہی کی اطاعت پر موقوف ہے۔ اور یارسول اللہ! مخلوق میں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا کوئی (بھی حامی ومددگار) نہیں۔ اس لئے اس نے آپ کا دامن کرم تھام لیا ہے۔ اس کی لاج رکھ لیجئے! جس وقت اس کے اعمال کا حساب ہو اس کی شفاعت فرما کر بخشش کا پروانہ عطا فرما دیجئے!

وزنِ اعمال:

اس شعر میں "عند الحساب" سے مراد بروزِ قیامت وزنِ اعمال کا وقت ہے۔
میزانِ عمل کا قائم ہونا حق ہے۔ اس کا ثبوت اس آیتِ کریمہ میں ہے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ﴾ (الانبیاء: ۴۷)

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اسے لے آئیں گے۔
اسی میزانِ عدل میں بندوں کے اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔ جس کی

نیکیوں نے اس کی برائی کا احاطہ کرلیا ہوگا اس کی نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہوکر اوپر کو چلا جائے گا تو وہ فلاح وظفر سے شادکام ہوگا اور جس کی برائیوں نے اس کی نیکیوں کا احاطہ کرلیا ہوگا اس کی نیکیوں کا پلڑہ ہلکا ہوکر نیچے آجائے گا اور یہ شخص محروم ونامراد ہوگا۔

وزنِ اعمال کی حقانیت کا احادیثِ کریمہ سے ثبوت:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

ان النبی ﷺ قال لیس احد یحاسب یوم القیامة الا ھلک قلت أو لیس یقول الله: فسوف یحاسب حسابا یسیرا فقال انما ذٰلک العرض ولٰکن من نوقش فی الحسا ب یھلک متفق علیه (مشکٰوۃ المصابیح۔باب الحساب ص:۴۸۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بروزِ قیامت جس کا بھی حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہی ہوجائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ”عنقریب بہت معمولی حساب لیا جائے گا“، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف پیشی ہے۔ لیکن جس سے حساب میں سختی کی جائے گی وہ ہلاک ہوجائے گا (اور اس کے لئے مواُخذہ سے بچ نکلنا بہت مشکل ہوجائے گا)۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام مخلوق سے ممتاز کر کے الگ کھڑا کریگا۔ پھر اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے جو منتہائے بصر (حدِّ نگاہ) تک ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں! اے میرے رب! اللہ فرمائے گا کیا تمہارا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں۔ اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے، آج تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہوگا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ'' فرمائے گا اس کو اپنے میزان پر رکھو! وہ کہے گا کہ اے میرے رب! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک پرچی کا وزن کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ان گناہوں کے رجسٹروں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے میں رکھ دیا جائے گا تو ان رجسٹروں کا پلڑہ ہلکہ ہوگا اور اس پرچی کا پلڑہ بھاری ہوگا اور اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۴۸۶۔ باب الحساب۔ المسند للامام احمد بن حنبل ج ۲، ص:۲۱۳۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ ایضا)

ان احادیث سے جہاں ایک طرف وزنِ اعمال کا حق ہونا ثابت ہو رہا ہے وہیں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم اور رحم و بخشش کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے بخشنے پر آجائے تو کسی بھی بہانے بخش دے اور اگر سخت گیری فرمائے تو بچنا مشکل ہو جائے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ ''رحمتِ حق بہانا می جوید بہا، نمی جوید۔

لیکن جو وابستگانِ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں انہیں مصطفیٰ کی شفاعت خود تلاش لیگی اور اپنے محبوب کی شفاعت سے رب تعالی انہیں جنت کا پروانہ عطا فرمائے گا۔
اسی لئے تو ہمارے امام فرماتے ہیں:

اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر — بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

اسی لئے ہر امتی کو سرکار کی شفاعت کا آسرا ہے، آپ سے دست گیری کی امید ہے اور آپ کی شان رحمت سے بعید ہے کہ اپنی ذات سے شفاعت وامداد کی آس لگانے والے کو محروم فرمادیں۔ ان اشعار میں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی عقیدہ اور فکر کی ترجمانی کی ہے۔
اور امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته

لكل هو ل من الأهوال مقتحم

ترجمہ: وہ ایسے حبیب ہیں جن کی شفاعت کا آسرا ہر پیش آنے والی ہول ناک مصیبت میں کیا جاتا ہے۔ **اللهم اجعلنا منهم واحشرنا معهم بوسيلة سيدنا محمد ﷺ . آمين**

[حلّ لغات] "طامعٌ": اسم فاعل از بابِ سمع۔ طمع کرنا۔ لالچ کرنا۔ "اَنَام": مخلوق۔ اس میں دو لغتیں اور ہیں (۱) اُنام (۲) أنیم ۔مگر انیم کا استعمال صرف اشعار میں

ہوتا ہے۔ ''غَدَا'': از باب نصر۔ صبح کے وقت جانا۔ یہاں پر ''صار'' کے معنی میں ہے
۔ ''عُریٰ'': عروہ کی جمع ہے۔ رسی کا پھندا۔ قابلِ اعتماد چیز۔ یہاں حضور کا دامن کرم مراد
ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد چیز کوئی اور نہیں۔

(۵۰) فَلَأَنْتَ أَكْرَمُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ
وَ مَنِ الْتَجَا بِحِمَاكَ نَالَ رِضَاكَا

(۵۱) فَاجْعَلْ قِرَاكَ شَفَاعَةً لِي فِيْ غَدٍ
فَعَسٰى أَرٰى فِيْ الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاكَا

[ترجمہ] کیوں کہ آپ صلی اللہ علیک وسلم سب سے باعزت شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول ہوگی، اور جس نے بھی آپ کی پناہ گاہ میں پناہ لی اسے آپ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوگئی۔

توبروزِ قیامت آپ اپنی شفاعت سے میری ضیافت فرمائیں، امید ہے کہ مجھے حشر میں آپ کے پرچم تلے جگہ نصیب ہوجائے گی۔

[تشریح] ان اشعار میں بھی سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کی ہے اور ان الفاظ میں عریضہ پیش کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپ شافعین و مشفّعین میں سب سے معظم ومکرّم ہیں، فتح وظفر انہیں کا مقدّر بنتی ہے جو آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوتے ہیں۔ حضور! میں بھی آپ کی پناہ میں آ گیا ہوں، لہٰذا مجھے بھی شفاعت سے شادکام فرما کر اپنے پرچم تلے جگہ عنایت فرمادیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّلِ شافع ہیں:

گزشتہ اوراق میں شفاعت کے تعلّق سے کافی کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ وہیں پر دلائل و براہین سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ قیامت کے دن رسول پاک اپنے گناہ گار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ حدیثِ پاک

شفاعتی لأهل الكبائر من امّتی

ترجمہ: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الجامع للترمذی ج ۲ باب ماجاء فی الشفاعۃ ص: ۷۰)

کی دلالت سے واضح ہے بلکہ آپ کے بابِ شفاعت کو وا فرمانے کے بعد دیگر انبیائے کرام، مرسلینِ عظام بلکہ اولیاء و مشائخ ذوی الاحترام بھی شفیع بن کر گنہ گاروں کو دوزخ سے نجات دلوائیں گے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے معظّم شافع اور سب سے مکرّم مشفَّع قرار دیا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوّلِ شافع اور مشفَّع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر آپ کو اوّلیت حاصل نہ ہو تو افضلیت بھی حاصل نہ ہوگی کیوں کہ اوّلیت کے لئے افضلیت لازم ہے۔ بلکہ یہاں لزوم طرفین سے ہے۔ لہٰذا ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو مستلزم ہوگی۔

پس نتیجہ نکلا کہ قیامت میں انبیاء و مرسلین، علماء و زاہدین سبھی شفاعت فرمائیں گے اور ان کی شفاعت مقبول بھی ہوگی لیکن جو ذات سب سے پہلے شفاعت کریگی اور سب

سے پہلے جس کی شفاعت بابِ اجابت سے ٹکرائیگی وہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہوگی۔

لہٰذا آپ تمام شافعین و مشفعین سے افضل و بہتر ہوئے۔ابن ماجہ شریف میں صحابیِ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا :

و أنا اوّل شافع و اوّل مشفّع یو م القیامة و لافخر

ترجمہ:سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا،سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔میں بطور فخر نہیں کہہ رہا ہوں۔(السنن لابن ماجہ ص:۳۱۹)

اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوّلِ شافع ہونے پر چند حدیثیں پیش کردی جائیں تاکہ آپ کی آنکھوں کو نور اور قلب کو سرور حاصل ہو۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ :أنا سید ولد آدم یوم القیامة ،و أوّل من ینشقّ عنه القبر،واوّل شافع و اوَّلُ مشفّع (الصحیح لمسلم ج۲ص:۲۶۰)

ترجمہ:حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں گا میں سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لاؤں گا،اور میں پہلا شافع ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ أنا أوّل النّاس يشفع في الجنة وأنا أكثر الأنبيآء تبعاً (الصحیح لمسلم ج ا ص:۱۱۲)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں میں سے پہلے شخص جنت میں (دخول کے لئے) شفاعت کروں گا، اور میں پیروکاروں کے اعتبار سے تمام نبیوں سے کثرت والا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

قال رسول ﷺ ألا و أنا حبيب الله ولا فخر و أنا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر وأنا أوّل شافع و أول مشفّع يوم القيامة ولا فخر وأنا أوّل من يحرک حلق الجنة فيفتح الله لي فيدخلنيها و معي فقرآء المؤمنين ولا فخر و أنا أكرم الأوّلين والآخرين ولا فخر . (الجامع للترمذی ج ۲ ص:۲۰۲۔ باب ماجآء فی فضل النبی ﷺ)

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سن لو! میں ہی اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں لیکن یہ میں بطورِ فخر نہیں کہتا (بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں) میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور یہ میں بطورِ فخر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن سب سے پہلا شافع (شفاعت کرنے والا) میں ہوں اور سب سے پہلا مشفَّع (جس کی شفاعت قبول کی جائے گی) بھی میں ہی ہوں اور یہ میں بطورِ فخر نہیں کہہ رہا ہوں، اور سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا (بھی) میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولیگا

اور مجھے اس میں داخل فرمائیگا اور میرے ساتھ غریب مؤمن ہوں گے اور میں یہ بطورِ فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ تحدیثِ نعمت مقصود ہے) میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں، اور میں اسے بھی بطورِ فخر نہیں کہتا۔

لواء الحمد:

اس شعر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوں کہ ''لواء الحمد،، کے تلے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کرنے کی آرزو وتمنا کا اظہار کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچمِ حمد وثنا کی حقیقت وعظمت سے متعلق کچھ معلومات فراہم کر دی جائیں۔

حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک جھنڈا مرحمت ہوگا جس کو لواء الحمد کہتے ہیں، تمام مؤمنین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب اسی کے نیچے ہوں گے۔(بہارِ شریعت حصہ اول ص:۱۴۷۔مجلس المدینۃ العلمیہ)

حضرت ابونضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

خطبنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما علی منبر البصرة فقال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: انّه لم یکن نبیّ الّا له دعوة قد تنجّزها فی الدنیا وانّی قد اختبأت دعوتی شفاعة لأمتی و أنا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر، وأنا أوّل من تنشق عنه الأرض ولا فخر، و بیدی لواء

الحمد ولا فخر ، آدم فمن دونہ تحت لوائی ولا فخر ...الحدیث بطولہ (المسند للامام احمد بن حنبل ج۱ص:۲۸۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بصرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کی کوئی نہ کوئی دعا ایسی نہ ہو جو دنیا ہی میں پوری ہوگئی ہو، لیکن میں نے اپنی دعا بچا کر رکھی ہے تاکہ روزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کروں۔ روزِ قیامت میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا ، اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں ہے، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا ، لیکن میں بطورِ فخر نہیں کہہ رہا، آدم و من سوا سب میرے پرچم تلے ہوں گے، لیکن مجھے اس پر بھی فخر نہیں ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : أنا سید الناس یوم القیامۃ ولا فخر ، ما من احد الّا وھو تحت لوائی یوم القیامۃ ، ینتظر الفرج و انّ معی لواء الحمد أنا أمشی و یمشی الناس معی حتی آتی باب الجنۃ فاستفتح فیقال: من ھذا ؟ فأقول : محمد ، فیقال: مرحباً بمحمد . فاذا رأیت ربی خررت لہ ساجداً. (المستدرک للحاکم ج۱ص:۸۳)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں روزِ قیامت (بھی) لوگوں کا سردار ہوں گا اور یہ میں بطورِ فخر نہیں کہتا ، اس دن ہر کوئی میرے جھنڈے تلے ہوگا اور وہ

نجات کا منتظر ہوگا اور بے شک پرچمِ حمد میرے ہاتھ میں ہوگا، میں چلوں گا تو میرے ساتھ لوگ چلیں گے یہاں تک کہ میں جنت کے دروازے پر آؤنگا اور اسے کھولنے کے لئے کہوں گا، پوچھا جائیگا کہ کون ہے؟ میں کہوں گا: محمد (ﷺ) تو کہا جائیگا: محمد (ﷺ) خوش آمدید۔ جب میں رب تعالیٰ کو دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جس کے زیرِ لوا آدم و من سوا اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لئے

سرکار کی شفاعت کے یقینی ہونے کے باوجود کسی کے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ آپ کی شفاعت پر تکیہ کر کے دریائے معصیت میں غرق ہو جائے اور اپنے آپ کو جنت کا حق دار تصوّر کرنے لگے۔

کیوں کہ یہ رسول پاک کی ناراضگی کا سبب اور شریعت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اس لئے ہر مؤمن کے لئے بہ ہر حال یہ ضروری ہے کہ تمام فرائض و واجبات بلکہ جملہ سنن و مستحبات کو ادا کرتا رہے اور جملہ محرمات و مکروہاتِ تحریمیہ و تنزیہیہ سے بچتا رہے۔

اللّٰھم ارزقنا اتباع النبی ﷺ فی کلّ ما أمرنا بہ و فی کلّ ما نھا نا عنہ .

[حلّ لغات] "التجأ": صیغہ واحد مذکر غائب از بابِ افتعال ۔پناہ لینا۔ "نال": صیغہ واحد مذکر غائب از بابِ سمع و ضرب بمعنی پانا۔حاصل کرنا۔ "قریٰ": مہمانی کا

کھانا۔مصدر از بابِ ضرب ۔مہمان کی ضیافت کرنا۔"غد"،: آئندہ کل۔یہاں روزِ قیامت مراد ہے۔"اُری"،: صیغہ واحد متکلم مجہول از بابِ فتح۔"لواء"،: (جمع) ألوية۔ پرچم۔جھنڈا۔اس سے مراد لواء الحمد ہے۔

(۵۲) صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَاعلَمَ الْھُدٰی
مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاکَا

(۵۳) وَعَلٰی صَحَابَتِکَ الْکِرَامِ جَمِیْعِھِمْ
وَالتَّابِعِیْنَ وَکُلِّ مَنْ وَالَاکَا

[ترجمہ] اے ہدایت کے روشن مینار! آپ (صلی اللہ علیک وسلم) پر اللہ رحمتیں نازل فرمائے! جب تک عاشق آپ کے روضہ اقدس کے مشتاق رہیں۔اور آپ (صلی اللہ علیک وسلم) کے تمام صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور آپ کے ہر حامی و مددگار پر بھی رحمتیں نازل ہوں۔

[تشریح] حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد و استغاثہ کرنے کے بعد آپ کے کچھ اوصاف وکمالات اور فضائل ومعجزات کا ذکر فرمایا۔پھر آپ سے شفاعت کی درخواست کی۔

اب دعائے شفاعت کے بعد اپنے قصیدہ کو صلوٰۃ وسلام پر ختم کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ نیک کاموں کا اختتام صلوٰۃ وسلام پر ہونا چاہیے! یہی ہمارے اسلافِ کرام اور بزرگانِ دین کا طریقہ رہا ہے اور اَخبار واحادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

دعا کے اول و آخر درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث و آثار:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

میں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے، جب میں بیٹھ گیا تو پہلے میں نے اللہ عزوجل کی ثنا کی پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لئے سوال کیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۹۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دعا آسمان و زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھ لو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۸۶)

احمد بن الحواری نے کہا:

میں نے ابوسفیان الدارنی سے یہ سنا کہ جو اللہ سے اپنی حاجت کے سوال کا ارادہ کرے وہ پہلے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر اپنی حاجت کا سوال کرے، آخر میں پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھے، بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑھے ہوئے درود کو قبول کیا جاتا ہے اور وہ اس سے بہت کریم ہے کہ درمیان کی دعاؤں کو رد کردے۔ (جلاء الافہام ص ۲۱۷۔ بحوالہ تبیان القرآن ج ۹ ص: ۵۳۹۔۵۴۰)

اس طرح کی متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اعمالِ صالحہ یا دعائے خیر کے اول یا آخر درودِ پاک پڑھ لیا جائے تو اس کے وسیلے سے دعا بھی قبول ہوگی اور اعمال صالحہ بھی مقبول ہوں گے اور کیوں نہ ہو جب کہ خود خالق کائنات فرماتا ہے :

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (احزاب:۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والوں! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بکثرت سلام پڑھو۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درودِ پاک بھیجنا جملہ ملائکہ مقربین بلکہ خود خالق کائنات عزوجل کا عملِ دائمی ہے۔ لہذا اس کے اور اس کے ساتھ مانگی گئیں دعاؤں کے مقبول ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دعا کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کی آل واصحاب کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

معنیٔ صلوٰۃ کی تحقیق:

صلوۃ کا معنی رحمت و برکت اور حمد و ثنا ہے۔ عربی میں نماز کو بھی ''صلوٰۃ،، اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے رب کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور بندہ تعریف وتوصیف کا مستحق ہوجاتا ہے۔

لیکن منسوب الیہ کے بدلنے سے اس کا معنی تبدیل ہوجاتا ہے۔ اگر اس کی نسبت

رب تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے اور کہا جائے کہ ’’اللہ تعالیٰ رسول اللہ پر اور مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتا ہے،، تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی حمد وثنا کرتا اور ان پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور اگر اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کر کے یوں کہا جائے کہ ’’حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں،، تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو اس کا معنی نزولِ رحمت یا مغفرت کی دعا کرنا ہے۔

ایک علمی نکتہ:

رب تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے محبوب پر درودِ پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا: ’’صلّوا علیه وسلّموا تسلیماً‘‘ اور اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے لئے جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں تو یوں عرض گزار ہوتے ہیں ’’اللّھم صلّ علی سیدنا مولانا محمّدٍ‘‘ [اے اللہ! تو (ہی) ہمارے آقا ومولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج] کیوں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ اور آپ کی قدر ومنزلت کیا ہے اور آپ عظمت ورفعت کے کس مقام پر فائز ہیں اور آپ پر درود وسلام پڑھنے کے آداب وانداز کیا ہیں۔

لہٰذا ہم ’’صلوٰۃ،، کو اللہ رب العزت ہی کے حوالے کر کے یوں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اپنے رسول کے حقائق ومعارف اور مراتب ومناقب کو کما حقہ تو ہی جاننے والا ہے، ان کے رتبۂ جلیلہ اور مرتبۂ عظیمہ کے موافق تو ہی درود بھیج سکتا ہے سو تو ہی ان پر صلوٰۃ

پڑھ۔

ہیشگی اور دوام کو بتانے کی مختلف تعبیریں:

اس آخری شعر میں روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے عاشقوں کے رونے، گڑگڑانے اور بے قرار رہنے کا ذکر ہے اور سبھی جانتے ہیں کہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا تو اب اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اۓ اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر صبح قیامت تک رحمت و نور کی بارش برساتا رہ۔

عربی شاعری میں ہمشگی اور دوام کو بتانے کے لئے مختلف تعبیریں استعمال کی جاتی ہیں مثلاً

"ما اختلف الملوان،، اور "ما تعاقب الملوان،،

ترجمہ: جب تک صبح و شام آتے جاتے رہیں اور جب تک یہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہیں۔

"ما أقبل الليل و أدبر النهار،،

ترجمہ: جب تک رات دن آتے جاتے رہیں۔

"ما تعاقبت الأنوار والظلمات،،

ترجمہ: جب روشنیاں اور تاریکیاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتی رہیں۔

"مادامت السماوات والأرض،،

ترجمہ: جب تک آسمان وزمین باقی رہیں۔

"ما طلعتِ الشمس و أضا ء ت الأكوان،،

ترجمہ: جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور کائنات روشن ہوتی رہے۔

"ما هبت الرياح و دبت الأشباح،،

ترجمہ: جب تک ہوائیں چلتی رہیں اور افراد چلتے رہیں۔

"ما أقلت الغبراء و أظلت السمآء،،

ترجمہ: جب تک زمین اٹھاتی رہے اور آسمان سایہ فگن رہے۔

"ما رنت الحمامة على غصون البان،،

ترجمہ: جب تک کبوتری درختِ بان کی شاخوں پر نغمہ سنجی کرتی رہے۔

"ما رنّحت ريح صبا عذبات البان،،

ترجمہ: جب تک بادِ صبا سے درختِ بان کی شاخیں جھومتی رہیں۔

" ما أطرب العيس حادى العيس بنغمه،،

ترجمہ: جب تک حدی خواں اپنے نغموں سے اونٹوں کو مستانہ وار چلاتے رہیں۔"

"ما غرد الورقاء علىٰ بان ،،

ترجمہ: جب تک کبوتر درختِ بان پر نغمہ سرائی کرتا رہے۔

" ما أطرب الورقآء بالالحان ،،

ترجمہ: جب تک فاختائیں خوش الحانی کے ساتھ گاتی رہیں۔

اسی طرح کی ایک تعبیر" ما حنّ مشتاق الی مثواک ،، بھی ہے اور میرے

خیال میں یہ تعبیر مذکورہ تمام تعبیروں سے عمدہ و بہتر ہے۔ کیوں کہ کسی میں صبح وشام کا ذکر ہے تو کسی میں کبوتری اور درختِ بان کا بیان، کسی میں حدی خواں کے نغموں کا تذکرہ ہے تو کسی میں ان کے اونٹوں کا ذکر۔ لیکن اس تعبیر میں رسولِ معظم، فخرِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کا ذکرِ جمیل ہے۔ لہٰذا دوام واستمرار کو بتانے کے لئے یہ سب سے بہتر تعبیر ہے۔ کیوں کہ اس میں مقصد کی اُدائیگی بھی ہے اور محبت کا اظہار بھی "من أحبّ شيئًا أكثر ذكره،، [محبت کرنے والا اپنے محبوب کا ذکر خوب کثرت سے کرتا ہے]

[حلِّ لغات] "صلی ،،: صیغہ واحد مذکر غائب از بابِ تفعیل ۔ اللہ علیہ ۔ برکت دینا۔ اچھی تعریف کرنا۔ رحمت نازل کرنا۔ "علم،،: پرچم ۔ قوم کا سردار ۔ راستہ کا نشان ۔ اونچا پہاڑ (جمع) أعلام۔ "مثوی،،: اسم ظرف از ثوی یثوی (ض) اقامت کرنا (جمع) مثاوی ۔ "صحابہ،،: وہ خوش نصیب حضرات جو ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے ہوں اور ایمان ہی پر ان کا انتقال ہوا ہو (واحد) صاحب ۔ "تابعین ،،: وہ حضرات جنہوں نے بحالتِ ایمان کسی صحابی کا دیدار کیا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔ "والیٰ،،: صیغہ واحد مذکر غائب از مفاعلة ۔ دوستی کرنا، مدد کرنا۔

☆☆☆☆☆

قد وقع الفراغُ بفضل اللهِ تبارک تعالیٰ وبعون رسوله الأعلیٰ من ترجمةِ هذه القصيدة النعمانية الميمونة و شرحِها يومَ السّابع و العشرين من شهر ذی الحجّةسنة اثنتين وثلاثين وأربع مأة وألفٍ من الهجرة النبوية قبلَ صلوٰةِ العصر قليلاً وأنا العبدُ الفقيرُ إلی اللّهِ الغنی محمد إكرام الحق القادری المصباحی من سكّانِ قرية سنگروسی بمديرية اناؤولاية اترابراديش بالهند. اللّٰهم ثبّت أقدامنا وأقلامنا علی الحقِ والإيقان و بعّدنا عن الزّلل والخطاو العِصيان فی كل حين و آن وأغرِقنا فی بحرِ المعرفةِ والغفران والعلوم و العرفان واحشُرنا مع من يتبع الإمامَ أبا حنيفة النعمان وأدخِلنا به بحبوحةَ الجِنان بجاه حبيبک سيِّد الإنس والجانّ .

تمّت بالخير

وصلی الله تعالی علی خيرِ خلقه سيدنا محمد و آله و صحبه وبارک وسلم

مآخذ و مراجع

شمار	کتب	مصنفین	مُتَوَفّٰی
۱	القرآن الکریم	منزّل من اللہ عزوجل	
۲	کنز الایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری	۱۳۴۰ھ
۳	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین بن عمر رازی	۶۰۶ھ
۴	تفسیر خزائن العرفان	علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۷۶ھ
۵	الکلام الأوضح فی تفسیر الم نشرح	علامہ نقی علی خاں (والد اعلیٰ حضرت)	۱۲۹۷ھ
۶	تبیان القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	
۷	صحیح البخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۸	الصحیح لمسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
۹	السنن للترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
۱۰	السنن لابن ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۱۱	السنن لابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۱۲	مسند احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۳	مشکوٰۃ المصابیح	امام ولی الدین تبریزی	۷۴۲ھ
۱۴	المستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد عبد اللہ حاکم نیشاپوری	۴۰۵ھ
۱۵	کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری	۹۷۵ھ
۱۶	الادب المفرد	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ

۱۷	المسند للدارمی	امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی	۲۵۵ھ
۱۸	شرح مسلم	علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی	۶۷۶ھ
۱۹	شرح مسلم	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	
۲۰	فتح الباری شرح البخاری	علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۲۱	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی	۵۴۴ھ
۲۲	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی	۸۰۷ھ
۲۳	نسیم الریاض	علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی	۱۰۶۹ھ
۲۴	شمول الاسلام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری	۱۳۴۰ھ
۲۵	انوار الانتباہ	////	//
۲۶	الملفوظ	////	//
۲۷	حدائق بخشش	////	//
۲۸	المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد	////	//
۲۹	االبدایۃ والنھایۃ	حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی	۷۷۴ھ
۳۰	الجواہر البحار	علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی	۱۳۵۰ھ
۳۱	حلیۃ الأولیاء	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰ھ
۳۲	قصص الأنبیاء	علامہ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر	۷۷۴ھ
۳۳	الفتاوی لابن تیمیہ	تقی الدین ابن تیمیہ	۷۲۸ھ
۳۴	المواہب اللدنیہ	علامہ احمد قسطلانی	۹۱۱ھ
۳۵	زرقانی علی المواہب	علامہ محمد عبدالباقی زرقانی	۱۱۲۴ھ
۳۶	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ

٣٧	المستطرف فی کل فن مستظرف	علامہ شہاب الدین محمد بن احمد ابوالفتح ابشیہی	
٣٨	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	١٠٥٢ھ
٣٩	معارج النبوۃ	علامہ معین الدین بن مولانا شرف الدین ہروی	٩٠٧ھ
٤٠	الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ	علامہ عبدالغنی نابلسی	١١٤٣ھ
٤١	شرح العقائد	علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	٧٩١ھ
٤٢	مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات	علامہ مہدی بن احمد بن علی بن یوسف فاسی	
٤٣	حجۃ اللہ علی العالمین	علامہ محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی	١٣٥٠ھ
٤٤	اشعۃ اللمعات شرح المشکوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	١٢٥٢ھ
٤٥	دلائل النبوۃ	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی	٤٣٠ھ
٤٦	دلائل النبوۃ	حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	٤٥٨ھ
٤٧	تہذیب التہذیب	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	٨٥٢ھ
٤٨	المدیح النبوی	علامہ یٰس اختر مصباحی	
٤٩	اصلاح فکر و اعتقاد	////	
٥٠	علامہ فضل حق خیرآبادی اور انقلاب ١٨٥٧	////	
٥١	جاء الحق	علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی	
٥٢	البراہین القاطعہ	مولوی رشید احمد گنگوہی	

۵۳ محدثینِ عظام	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
۵۴ ضیاء النبی	علامہ جسٹس پیر کرم شاہ ازہری
۵۵ بہارِ شریعت	صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی
۵۶ ذکرِ جمیل	حضرت علامہ محمد شفیع اکاڑوی
۵۷ کشف بردہ	علامہ نفیس احمد صاحب قبلہ
۵۸ تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی
۵۹ المعجم المفہرس	
۶۰ المعجم الوسیط	
۶۱ المنجد فی اللغۃ والأعلام	
۶۲ مصباح اللغت	